دکھاوے کی نیکیاں

جولوگ دکھاوے کے لیے نیکی کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ کی ایک چٹان جس پر مٹی کی ایک تہ جم گئی ہو۔ایسی جگہ پر کتنی ہی بارش ہو، لیکن کبھی سرسبز نہ ہوگی، کیوں کہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے۔پانی جب برسے گا تو دھل دھلا کر صاف چٹان نکل آئے گی۔

برخلاف اس کے جولوگ اخلاص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو۔جب بارش ہوگی تو اس کی شادابی دوگنی ہوجائے گی، اگر زور سے پانی نہ برسے تو ہلکی ہلکی بوندیں بھی اسے شاداب کردیں، کیوں کہ اس میں سرسبزی وشادابی کی استعداد موجود ہے۔

اس تمثیل میں خیرات کو بارش سے اور زمین کو دل سے تشبیہ دی گئی ہے۔اگر زمین ٹھیک ہے یعنی دل میں اخلاص ہے تو جس قدر بھی عمل خیر کیا جائے گا برکت اور پھل لائے گا۔اگر زمین درست نہیں ہے یعنی اخلاص نہیں ہے تو پھر کتنی ہی دکھاوے کی خیر خیرات کی جائے سب رائیگاں جائے گی۔

اگر دل میں اخلاص ہے تو تھوڑی خیرات بھی برکت وفلاح کا موجب ہوسکتی ہے جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کرسکتی ہیں۔

عالم مادی اور عالم معنوی دونوں کے احکام وقوانین یکساں ہیں۔جو بوؤ گے اور جس طرح بوؤ گے ویسا ہی اور اسی طرح کا پھل بھی پاؤ گے۔

تم میں کون ہے جو یہ بات پسند کرے گا کہ اپنی ساری عمر باغ لگانے میں صرف کردے اور سمجھے اس کی پیداوار بڑھاپے میں کام آئے گی، لیکن جب بڑھاپا آئے تو دیکھے کہ سارا باغ جل کر ویران ہوگیا ہے؟ یہی حال اس انسان کا ہے جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے عاقبت میں کام آئیں گی، لیکن جب عاقبت کا دن آئے گا تو دیکھے گا کہ اس کی ساری محنت رائیگاں گئی اور اس کی کوئی تخم ریزی بھی پھل نہ لاسکی۔

(ترجمان القرآن جلد دوم ص ۲۴۵۔۲۴۶)

درس حدیث

ماہ شوال کے روزے

محمد اظہر مدنی

عن أبي أيوب رضي الله عنه قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم :"من صام رمضان ثم اتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر" (صحيح مسلم)

ترجمہ: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ اس کے لئے سال بھر کے روزہ کی مانند ہوگا"۔

تشریح: ماہ رمضان اپنی تمام تر رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ ہم پر سایہ فگن تھا، ایسا لگا کہ ہوا کا ایک جھونکا تھا، تیزی سے ہم سے رخصت ہو چلا۔ یہ حقیقت ہے بہت سارے لوگ پلاننگ کرتے رہ گئے کہ اس مہمان کی ضیافت کریں گے، اس کی قیمتی ساعتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ روز کی پلاننگ اور ہر کل کی آمد کا انتظار نیز ان کی تمنائیں برائے تمنا ہی رہ گئیں اور کچھ نہ کر سکے، نہ اس سے مستفید ہو سکے، نہ ہی اپنا تزکیہ نفس ہی کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے رمضان اور غیر رمضان سب برابر ہے، نہ ماہ رمضان آنے کا احساس اور نہ ہی اس کے رخصت ہونے پر ملال۔ بھلا وہ کیوں کر اس کو الوداع کہہ سکتا ہے۔ بس ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ اے اللہ! گناہوں نے ہمیں بے بس کر دیا ہے، عیوب نے گونگا بنا دیا ہے، معصیتوں نے شرمندہ کر رکھا ہے، ہم تیری رحمت کے طلب گار اور بے پناہ وسعت وعنایتوں کے حوالے سے معافی چاہتے ہیں تو عفو و درگزر کا معاملہ کرنا "قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ" لیکن بہت سارے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس ماہ کی مبارک ساعتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا، صیام و قیام کے ساتھ ساتھ مال بھی خرچ کئے، بڑی لگن اور محنت کا مظاہرہ کیا، نیز کوئی بھی لمحہ فروگزاشت نہیں ہونے دیا، ایسے تاک میں لگے رہے جیسے شکاری اپنے شکار کی ٹوہ میں۔ ایک مومن کے لئے ان سعادتوں کا حصول حقیقی توشہ ہے کیونکہ رب کی رضاء وخوشنودی سے بڑھ کر کوئی بھی چیز ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ اے رب ذوالجلال! ہم سب کو سال کے بقیہ ایام میں بھی خیر کی توفیق دے، ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رکھ، ہمیں رضاء وخوشنودی عطا فرما، خیر کے کاموں میں ہماری مدد فرما اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کی عبادتوں کو قبول کرنا۔ تقویٰ کا جو درس حاصل کیا اسکو باقی رکھ۔ تہجد گزاری سے دلوں کو منور اور زندگی کی آخری سانس تک اپنی عبادتوں میں منہمک رکھ۔ "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں موت آ دبوچے۔ (سورہ حجر/99) ماہ رمضان کے رخصت ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ نیک اعمال کے دروازے بند ہو گئے بلکہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار دروازے کھول رکھے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کے وہ اپنے آپ کو جنت کا مستحق ٹھہرا سکتا ہے۔

ماہ رمضان کے بعد شوال کے مہینہ کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں اس کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جس نے رمضان کے روزے رکھے، اس کے بعد شوال کے چھ روزے مکمل کئے تو اس کا یہ روزہ رکھنا پورے سال روزے رکھنے کی مانند ہوگا"۔

پورے سال سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من صام ستة أيام بعد الفطر كان كتمام السنة، من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها" یعنی جس شخص نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو یہ پورے سال کی طرح ہوں گے، جس نے ایک نیکی کی اس کے لئے دس گنا اجر ہوگا۔

ماہ رمضان کے روزے دس مہینے کے برابر ہو گئے اور شوال کے چھ روزے دو مہینے کے برابر ہو گئے۔ اس طرح پورے سال روزے رکھنے کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ شوال کے ان چھ روزوں کو پے در پے یا الگ الگ رکھنے کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص ہدایت نہیں فرمائی۔ شوال کے مہینے میں یہ چھ روزے رکھے جا سکتے ہیں خواہ وہ پے در پے ہوں یا الگ الگ۔ "فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ" (سورہ یونس:۵۸) یعنی لوگوں کو اللہ کے اس انعام سے خوش ہونا چاہئے، وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔

☆☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث ۲
اداریہ ۳
فتنۂ تکفیر اور اس کی خطرناکی ۶
امن عالم اور اسلامی غزوات ۹
بچوں کی تربیت میں کمی وکوتاہی کے اسباب ۱۳
اسی توسع کی ضرورت ہے ۱۵
اسلام میں جرم وسزا کا تصور ۱۷
لڑکیوں کی خودکشی کا واحد سبب- جہیز ۲۰
رمضان کے بعض محل نظر اعمال..... ۲۵
طب وصحت ۲۹
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز ۳۰
جماعتی خبریں ۳۰

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک
سالانہ ــــــــــ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ــــــــــ ۷/روپے
پاکستان ــــــــــ ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

عید کا پیغام اور رحمتوں کا امتداد

اللہ رب العزت کا کروڑہا کروڑ شکر واحسان ہے کہ اس نے ایک بار پھر امت مسلمہ کو عیدالفطر منانے اور باہم ایک دوسرے کو خوشیوں اور مسرتوں کی سوغات بانٹنے کا زریں موقع عنایت کیا اور پورے ایک ماہ کے روزوں اور عظیم عبادت وپیہم ریاضت کے بعد اپنی کبریائی وعظمت کے اظہار واعلان اور اپنی نعمتوں کی قدردانی وشکرگزاری کی توفیق ارزانی فرمائی۔ فللہ الحمد والمنة

یوں تو عیدوں اور تیوہاروں کا تصور ہر قوم اور ہر مذہب کے اندر پایا جاتا ہے کہ جب وہ ہر طرح کی کلفتوں اور پریشانیوں کو بھول کر خوشی ومسرت سے سرشار وبدمست ہوتے ہیں اور خیر وشر کی تمیز کیے بغیر ہر طرح کے اخلاقی وغیر اخلاقی کاموں کو انجام دیتے ہیں، جس کی وجہ سے مختلف قسم کے سماجی ومعاشرتی بگاڑ وفساد اور تصادم وکشمکش جنم لیتے ہیں۔ لیکن اسلام نے جس عید کا تصور دیا ہے وہ اور قوموں کی عیدوں اور تیوہاروں سے نہایت البیلا، نرالا، اچھوتا اور جداگانہ ہے۔ اس میں روحانیت کی مکمل کارفرمائی ہوتی ہے۔ عبدیت وبندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ تواضع وخاکساری کی شان جھلکتی ہے۔ عدل ومساوات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایثار وہمدردی اور موانست وغم خواری کے مبارک جذبات ابھرتے ہیں۔ اخوت وانسانیت اور الفت ومحبت کی ادا پائی جاتی ہے۔ سماج کے دبے کچلے اور محروم طبقات کو بھی مالداروں کی صف میں کھڑا ہونے اور ان کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کا موقع ملتا ہے۔ امیر وغریب کی تفریق مٹ جاتی ہے۔ سب کے دل اللہ کی نعمتوں کی شکرگزاری کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور سب کی زبان پر ایک ہی پروردگار وپالنہار کی کبریائی وعظمت اور اس کی نعمتوں کی شکرگزاری کا زمزمہ ہوتا ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کبیرا والحمدللہ کثیرا وسبحان اللہ بکرة واصیلا۔ اور اس طرح اللہ رب العزت کے حکم ومنشا ”وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰئكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْن“ (البقرہ: ۱۸۵) کی عملی تعمیل وبرآری ہوتی ہے۔

اسلام میں کل دو ہی عیدیں ہیں۔ عیدالفطر وعیدالاضحیٰ۔ لیکن عیدالفطر کی خوشیاں عیدالاضحیٰ کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔ اس کی منطقی وجوہات بھی ہیں کہ یہ عید ایک ماہ کی عظیم عبادت وپیہم ریاضت، تربیت وٹریننگ اور بڑے انتظار کے بعد بطور انعام واکرام خوشی ومسرت، نکہت ورنگ اور نور کا سیلاب لیے آتی ہے اور ساری دنیا کو

الفت ومحبت،امن وشانتی،اخوت وبھائی چارہ،ایثاروہمدردی اور عبودیت وبندگی کے رنگ میں رنگنی اور مساوات انسانی کا خوشنما چمن آباد کردیتی ہے۔

عیدالفطر کی خوشیاں اس لئے بھی فزوں تر ہوتی ہیں کہ بندے کا اس دن ایک ماہ بعد حقیقی معنوں میں افطار ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے اور اپنے جسم وجان کو ان چیزوں کے ذریعہ راحت وآرام پہنچاتا ہے جن سے اس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لئے جائز ہونے کے باوجود مہینہ بھر اپنے آپ کو روک لیا تھا۔ کھانے پینے سے باز آ گیا تھا۔ جائز زن وشو کے تعلقات کو ترک کردیا تھا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے بہیمی ونفسانی قوتوں اور شیطانی وسوسوں سے پاک ہوکر گویا "وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْن" (النحل:۵۰) جو فرشتوں کی صفت ہے اس سے متصف ہوگیا تھا۔ اس لئے عید کے دن ایک بندۂ صادق کو غیر معمولی شادمانی ومسرت حاصل ہونا ایک طبعی امر ہے۔

بڑے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے ماہ صیام کے ان مبارک ایام اور ان کے فیضان سے اپنے آپ کو شادکام کیا۔ دوران صیام انہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کردیا تھا۔ اپنے نفس پر مکمل کنٹرول اور قابو پانے کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے حلال اور جائز چیزوں کو بھی ایک طرح سے حرام کرلیا تھا۔ اپنے آپ کو عبودیت وبندگی اور رب کی غلامی کی عظیم منزل پر پہنچا کر ہر طرح کی آلائشوں اور خواہشوں سے روک رکھا تھا۔ اور اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت اور اپنے بندوں سے محبت کی وجہ سے شیاطین کو قید کردیا تھا اور جہنم کے دروازے بند فرمادیئے تھے تو روزے دار بھی اللہ جل شانہ کی عطا کی ہوئی رحمتوں اور جنت کے کھلے ہوئے دروازوں کی طرف رواں دواں رہے۔ اپنے آپ کو تلاوت واذکار میں اس قدر مشغول ومنہمک رکھا اور اپنے آپ کی عبادت وریاضت میں اس طرح لگائے رکھا کہ گویا نہ کوئی شیطان ہے نہ کوئی جہنم کہ اب کوئی اس کو رحمٰن کی بندگی سے نکال کر شیطان کی راہ پر لگا سکے۔

عیدالفطر اپنے پروردگار سے تجدید عہد وفا کا زریں موقع ہے۔ جب بندگان الٰہی اپنے رسول ﷺ کے فرمان کے بموجب آبادی سے نکل کر کھلے میدانوں میں جمع ہوکر اجتماعیت اسلامی کا عظیم روحانی مظاہرہ کرتے ہیں اور محمود وایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر دوگانہ ادا کرکے اللہ کی نعمتوں کی قدردانی وجذبات تشکر کا اظہار کرتے ہیں تو اس مبارک موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جس طرح ہم نے ماہ رمضان بھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حرام کام وافعال ہی نہیں بلکہ حلال کاموں اور اشغال کو بھی ترک کردیا تھا، خواہشات کو لگام دی تھی، شب وروز کے اکثر اوقات فرائض واجبات، سنن ونوافل، تلاوت قرآن کریم، تسبیح وتہلیل اور ذکر واذکار میں بسر کیے تھے، قیام اللیل اور تراویح کا اہتمام کیا تھا۔ افطار کے موقع پر اپنے ہمسایوں، پڑوسیوں اور مسافروں کو یاد رکھا تھا۔ فساد وبگاڑ، گالی گلوچ، کشت وخوں اور تصادم کی راہ چھوڑ کر امن واخوت اور خیر وصلاح کی روش اختیار کرکے شیطان رجیم کو رسوا کیا تھا، زکاۃ وصدقات اور عطیات کے ذریعہ غریبوں، مسکینوں اور محروم طبقات کی مدد کی تھی، صدقہ فطر کے ذریعہ غریبوں اور محتاجوں کی آسودہ عید کا انتظام کیا تھا، اسی طرح ہم سال بھر ان خصائل حمیدہ اور اوصاف کریمہ کو اختیار کیے رہیں گے۔ اللہ کی نعمتوں کی قدردانی وشکرگزاری کرتے رہیں گے۔ ملک وملت کے دشمنوں کے خلاف رنگ ونسل کی تفریق مٹا کر صف آرا رہیں گے اور اپنے خون جگر سے ملک وملت اور انسانیت کی تعمیر کرتے رہیں گے اور تقوی وپارسائی کی ڈگر پر رواں دواں اور آگے بڑھتے رہیں گے۔ کیونکہ روزے کا کل فلسفہ تو یہی ہے کہ انسان کے اندر سے صفت بہیمیت کا خاتمہ ہوکر اس میں روحانیت یعنی تقوی وپرہیزگاری کا حقیقی طور پر بسیرا ہوجائے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو جان لیجئے کہ ہماری عید سویاں خوری، خوش لباسی اور اظہار زیب وزینت کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے عربی کے یہ اشعار بار بار ضرور پڑھے اور سنے ہوں گے:

لیس العید لمن لبس الجدید
انما العید لمن امن الوعید
لیس العید لمن تبخر بالعود
انما العید لمن تاب ولا یعود
لیس العید لمن تزین بزینة الدنیا
انما العید لمن تزود بزاد التقوی
لیس العید لمن رکب المطایا
انما العید لمن ترک الخطایا

یعنی عید اس کی نہیں جس نے نیا لباس پہن لیا، بلکہ عید تو اس کی ہے جو (جہنم اور اس کے عذاب کی) وعید سے بچ گیا۔ عید اس کی نہیں جو عود کی خوشبو سے معطر ہوگیا بلکہ عید تو اس کی ہے جس نے توبہ کی اور پھر دوبارہ گناہ نہ کیا۔ عید اس کی نہیں جس نے دنیوی زیب وزینت سے خود کو مزین کرلیا بلکہ عید تو اس کی ہے جس نے

تقویٰ کا توشہ تیار کرلیا۔اور عید اس کی نہیں جو سواریوں پر سوار ہوا بلکہ عید تو اس کی ہے جس نے گناہوں کو چھوڑ دیا۔

اس لیے عید مناتے اور باہم خوشیاں بانٹتے ہوئے ان امور کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے اور پیغام عید کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے،اور خوشیوں کے موقع پر اپنی تربیت واصلاح کے پہلو کو نظر سے اوجھل بھی نہیں ہونے دینا چاہیے۔

ماہ صیام کے انعامات ونوازشات کا مبارک سلسلہ عید الفطر کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوجاتا ہے بلکہ مابعد عید بھی اس کا فیض جاری وساری رہتا ہے۔ انہی انعامات ونوازشات الٰہی میں سے ایک اہم انعام ونوازش شش عیدی روزے ہیں جن کے بارے میں رسول رحمت وسعادت ﷺ نے فرمایا **من صام رمضان ثم اتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر (مسلم)** کہ جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر اس (عید) کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو عمر بھر کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

ان روزوں کی حیثیت،اہمیت وفضیلت کے اعتبار سے نماز کے سنن رواتب ونوافل کی سی ہے کہ جس طرح سنن رواتب اور نوافل سے فرض نمازوں کا فائدہ مکمل ہوتا ہے اسی طرح شش عیدی روزوں سے ماہ صیام کے روزوں کے فوائد کی تکمیل ہوتی ہے۔

نیز یہ کہ ایک بندۂ مومن سے کمال اہتمام واحتیاط کے باوجود رمضان المبارک کے روزوں کے حقوق وواجبات اور تقاضوں کی تکمیل میں کچھ نہ کچھ کوتاہی وکمی ہو ہی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کوتاہیوں اور کمیوں کی تکمیل کے لیے شوال کے چھ روزے مستحب قرار دیئے گئے۔ نیز یہ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا '' (الانعام:۱۶۰) کہ ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے۔ کے بموجب رمضان کے ایک مہینے کے روزے دس مہینوں کے روزے کے برابر ہیں۔اور اگر اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھ لئے جائیں تو اس حساب سے یہ چھ روزے دو مہینوں کے برابر ہو گئے۔اس طرح شش عیدی روزے رکھ کر بندہ گویا پورے سال کے روزوں کا مستحق ہو گیا۔ اور جس کا یہ مستقل معمول ہو جائے تو بلاشبہ وہ اللہ کے یہاں پوری زندگی روزہ رکھنے والا شمار ہوگا اور کـــان كصيام الدهر کا حقیقی مصداق ٹھہرے گا۔

اس لئے ماہ صیام کے روزوں کے بعد شش عیدی روزوں کا بھی اہتمام کرنا چاہیے اور اس انعام ونوازش الٰہی کے لیے رب العالمین کا شکر ادا کرنا چاہیے۔سلف کا یہی طریقہ رہا ہے۔ وہ عید کے اگلے دن سے شش عیدی روزہ رکھنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ عید الفطر کے مبارک موقع پر امت مسلمہ کو اپنے محبوب کی کبریائی کے اعلان کی توفیق بخشے، پوری انسانیت کو عید سعید کی حقیقی بہاروں اور خوشیوں سے شاد کام فرمائے اور الفت ومحبت ، یک جہتی وہم آہنگی ،تعاون وتکافل، ایثار وقربانی ،مساوات وغم خواری اور امن وشانتی ، جو اس کا حقیقی پیغام ہے اس سے بہرہ ور کرے۔ کیوں کہ

جذبہ و شوق ہم آہنگی احباب لیے
عید آئی ہے محبت کا نیا باب لیے

اس عید سعید کی خوشی کے موقع پر اپنے لاکھوں مصیبت زدہ بھائیوں ،ارضی وسماوی آفات سے دوچار کروڑوں لوگوں ،مہلک امراض میں مبتلا اور اسپتال کے بستر پر کراہ رہے ان گنت مریضوں ،خواہشات نفسانی کے شکار ہوکر اور جرائم کا ارتکاب کر کے جیلوں میں پڑے ہوئے یا ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہزاروں لوگوں ،مختلف قسم کی عنصری وجغرافیائی اور رنگ ونسل اور مذہبی ومسلکی تعصّبات کا شکار ہو کر بے گھر اور نان شبینہ سے محروم در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کروڑوں لوگ جن کی داستانیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں،اسی طرح خودکشی اور حرب وضرب کے راستے اختیار کر کے اور بلا وجہ جہاں بانی کا وہم وگمان پال لینے کے سبب مختلف مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا لوگوں اور دہشت وحشت کی شکار انسانیت کو اپنی دعاؤں میں ہرگز نہ بھولیں۔اسی طرح مدارس اسلامیہ جو دین کے حقیقی قلعے ہیں اور جمعیت جو مدارس وجماعت کے مصالح کی نگہباں ہے اس کو بھی اپنی دعاؤں اور نوازشوں میں یاد رکھیں۔ اگر آپ نے یہ سب کر لیا تو یقیناً آپ کی خوشی دوبالا ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقات سے نوازے ۔ ہمارے روزوں ،تلاوت واذکار، عبادت وریاضت، اعتکاف وقیام لیل اور صدقات وخیرات اور نیک اعمال کو قبول فرمائے۔ ہماری دعا ہے کہ ہر جگہ امن وامان قائم ہو،اخوت ومحبت کا دور دورہ ہو اور وطن عزیز بلکہ ہر ملک ،ہر خاندان اور ہر شخص کے یہاں خوشی وشادمانی اور خوشحالی وترقی ہو۔اگر ملک مضبوط ہوگا تو عوام بھی مضبوط ہوں گے،ملت مضبوط ہوگی تو افراد ملت بھی مضبوط ہوں گے اور اگر جماعت وجمعیت مضبوط ہوگی تو افراد جماعت بھی مضبوط ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر اور مددگار ہو اور عید سعید کے حقیقی پیغام وفیضان کا مستحق بنائے۔آمین۔

☆☆☆

نیاز احمد عثمان المدنی
استاذ، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار

بموقع ۳۴ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

فتنۂ تکفیر اور اس کی خطرناکی

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على رسوله الامين محمد وعلى آله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين وبعد:

صدر ذی وقار، علماء کرام اور معزز حضرات!

مجھے اس اہم سیمینار میں مقالہ کے لئے جو عنوان دیا گیا ہے وہ ہے ''فتنۂ تکفیر اور اس کی خطرناکی'' جہاں تک اسلامی تعلیمات کی بات ہے تو ہم اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس کے اندر وسعت ظرفی اور کشادگی سب سے زیادہ ہے اسلام میں داخل ہونے کی سب سے پہلی شرط ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے اس کے اقرار کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا اگر کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اور اسی عقیدے پر اس کی وفات ہوگئی تو اسلام میں یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے لئے معافی کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اعلان کر دیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا (النساء:٤٨) یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک کرے اس نے بہت بڑا گناہ کیا اور بہتان باندھا۔

قابل توجہ ہے کہ جس اسلام نے شرک کو اتنا قبیح اور برا سمجھا اسی اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ بھی تعلیم دی کہ اللہ کے ساتھ جن معبودان باطلہ کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ان کو گالی مت دو بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

اسلام نے کبھی اپنے ماننے والوں کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ کسی کو کافر کہے یا فاسق وفاجر کہے جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں اور احادیث نبویہ کو بنظر غائر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے سختی سے منع کیا ہے کہ کسی کو کافر کہا جائے کسی پر تکفیر کا حکم لگایا جائے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہو۔

عن عبدالله بن عمر عن النبی ﷺ قال: "ايما رجل قال لاخيه ياكافر فقد باء بها احدهما" (رواه البخاری رقم:٦١٠٣١)

وعن عبدالله بن عمر عن النبی ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ ايما رجل كفر رجلا فاحدهما كافر (مسند امام احمد ج ٢ / ٤٤)

وعنه ايضا: قال رسول الله ﷺ: اذا قال الرجل لصاحبه: يا كافر فانها تجب على احدهما، فان كان الذى قيل له كافر افهو كافر والا رجع اليه ما قال۔

وعن ابى ذرانه سمع النبى ﷺ يقول: لا يرمى رجل رجلا بفسوق ولا يرميه بالكفر الا ارتد اليه فان لم يكن صاحبه كذلك (اخرجه البخارى ٦٠٤٥)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مطلقا کسی مسلمان کو کافر کہنا یا اس پر کفر کا فتویٰ لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے لئے تکفیر جائز نہیں الا یہ کہ صراحتاً اس کا مرتکب ہو کیونکہ جب کسی شخص کا مسلمان ہونا یقینی ہوگیا تو پھر اس پر فسق وفجور یا خارج از دین کا فتویٰ لگانا، کفر کا فتویٰ لگانا یا لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے۔ آج کے موجودہ معاشرے میں یہ چیز بالکل عام ہو چکی ہے تکفیر لعن وطعن اور جہنمی وغیرہ کہنا زبان زد ہے اس لئے ایک مسلمان کو ایسے کلمات کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے اور حق بات کہنی چاہیے۔ لوگوں کو ان کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے پکارنا چاہیے شریعت نے جس کی اجازت دی ہے۔ دینی معاملات میں استہزا و مذاق اور احکام میں غلو نہیں کرنا چاہیے جس غلو سے شرعی حقوق کے فوت ہونے کا خدشہ ہو۔ کسی بھی شخص کو پست ومعمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ انسانیت کے فلاح وبہبود کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کو اس کا ذاتی حق دیا جائے کسی کو کسی کے مقابلہ میں معمولی سمجھ کر فوقیت نہ دی جائے۔ ہر ایک کو صالح اور نیک خیال کیا جائے اور اس کے معاملہ کو اللہ کے حوالے کیا جائے۔

اگر کوئی مسلم شخص کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے تو صرف اس کی غلطی اور معاصی کی وجہ سے اس مسلم کی تکفیر جائز نہیں ہے اگر یہ چیز جائز ہوتی تو اس پر تکفیر کا حکم لگایا جا سکتا۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی نے زنا کر لیا یا چوری کر لی، شراب پی لی تو اس کو کافر نہیں کہیں گے بلکہ اس کو عاصی اور فاسق کہہ سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ شخص زنا، چوری شراب کو حلال سمجھے اور یہ کہے کہ اللہ نے اس کو حرام نہیں کیا ہے اللہ کی حرمت کو قبول نہیں کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے کفر پر کوئی شک نہیں ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر کے لئے کچھ اصول وضوابط ہیں جو شریعت سے ثابت ہیں۔ تکفیر کا حکم صرف علماء راسخین فی العلم ہی لگا سکتے ہیں وہ بھی نصوص ودلائل شرعیہ کی روشنی میں اسی طرح شرعی قاضی بھی دلائل کی روشنی میں تکفیر

کا حکم لگا سکتا ہے۔

فتنہ تکفیر ایک عظیم اور قدیم فتنہ ہے یہ فتنہ زمانہ قدیم میں ایک فرقہ میں پیدا ہوا جو خوارج کے نام سے معروف ومشہور ہے۔

فتنہ تکفیر ایک خطرناک شئی ہے اس کی خطرناکی کا ثمرہ یہ ہے کہ جو کتاب وسنت کے منہج سے منحرف ہو جائے تو گویا اس نے اپنی عقل کو استعمال کیا اور سلف صالحین کے منہج سے خارج ہو گیا۔ مثلا اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء:۱۱۵) جو شخص باوجود راہ حق کے واضح ہو جانے کے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔

اس آیت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ تکفیر سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن نے صرف وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْل کے ساتھ ساتھ اتباع غير سبيل المومنين کا اضافہ کیا ہے۔

پس اتباع سبیل المومنین اور عدم اتباع سبیل المومنین ایک اہم امر ہے کیونکہ عنداللہ ناجی وہی جماعت ہے جو سبیل المومنین کی اتباع کرے۔ اور جو غیر سبیل المومنین کی اتباع کرے گا اس کا انجام جہنم ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں بہت سی جماعتیں گمراہ ہو گئیں اور انہوں نے عدم التزام سبیل المومنین پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سلسلہ میں اپنی عقلوں کا استعمال کیا اور اپنی رائے وخواہش کے مطابق کتاب وسنت کی تفسیر کی جس کی وجہ سے ایک عظیم خطرہ میں پڑ گئے اور سلف صالحین کے منہج سے ہٹ گئے حالانکہ اس آیت میں سبیل المومنین کے التزام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستہ کی پیروی دین اسلام سے خروج ہے جس پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اس آیت میں مومنین سے مراد صحابہ کرام ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور کامل نمونہ تھے اس لئے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کی اتباع دونوں درحقیقت ایک ہی چیز ہے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے منہج سے انحراف بھی کفر وضلال ہے۔

اصل فتنہ تکفیر یہ ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:۴۴) جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔

یہ آیت تین بار آئی ہے اور اس کے آخر میں اولئك هم الكافرون، اولئك هم الظالمون، فاولئك هم الفاسقون جن لوگوں نے ان آیات میں غور نہیں کیا انہوں نے پہلے لفظ هم الكافرون سے تکفیر کا حکم لگا دیا اور کہہ دیا کہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو گئے۔ یہ حقیقت بھی مدنظر ہونی چاہیے کہ کتاب وسنت کی لغت میں ہمیشہ کافرون خارج از ملت کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا ہے اسی طرح ظالم اور فاسق کا لفظ بھی دین سے ارتداد کے لئے استعمال ضروری نہیں ہے۔

کلمہ ''کفر'' قرآن وحدیث میں متعدد بار وارد ہوا ہے لیکن اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خارج از ملت ہونے میں سب برابر ہیں۔ مثلا ایک متفق علیہ روایت ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ'' سباب المسلم فسوق وقتاله كفر'' (بخاری ۴۸) اس حدیث میں کفر سے مراد معصیت ہے یہاں کفر عملی ہے اعتقادی نہیں ہے اور جب اعتقادی نہیں ہے تو خارج از ملت شمار نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک مشرک سے قتال کیا جب مشرک نے دیکھا کہ میں اس کی تلوار کی زد میں آ گیا تو اس نے ''اشهد ان لا اله الا الله'' پڑھ لیا، صحابی نے سمجھا کہ اس نے قتل کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا ہے اس لئے اس کو قتل ہی کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ سخت برہم ہوئے اور صحابی کے اس عذر کو قبول نہیں کیا کہ اس نے قتل کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے بلکہ آپ ﷺ نے کہا'' هلا شققت قلبه'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفر اعتقادی کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق دل سے ہے اور ہم اس بات کی قدرت نہیں رکھتے ہیں کہ کسی فاسق فاجر، سارق، زانی یا اس جیسے گناہ کبیرہ کے مرتکب شخص کے دل کی حالت جان سکیں جب تک کہ وہ اپنے دل کی بات کو زبان سے ادا نہ کرے۔ ہم اس عمل کو شریعت کے مخالف کہیں گے۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں فتنہ تکفیر کی خطرناکی کو سمجھ سکتے ہیں۔

فتنہ تکفیر کے متعلق یہاں ہم چند فتاوے نقل کر رہے ہیں جن کی روشنی میں اس کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا ''تكفير من حكم بغير ما انزل الله من غير تفصيل'' اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے تو آپ نے جواب دیا کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی پر کفر کا حکم لگائے جو اللہ کی جانب سے نازل نہ کیا گیا ہو صرف عمل کی وجہ سے نہ جانے بغیر کہ دل میں اس کو حلال سمجھ رہا ہے۔

اور انہوں نے دلیل میں یہی آیتیں پیش کی ہیں، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ:۴۷) نیز انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ کفر کی دو قسم ہے اصغر، اکبر، اسی طرح ظلم کی بھی دو قسم اکبر واصغر اور اسی طرح فسق کی بھی اکبر واصغر تو جس شخص نے حکم بغیر ما انزل اللہ کو حلال سمجھ کر کیا مثلا زنا، ربا، چوری وغیرہ کو جس کے حرام

ہونے پر سب کا اتفاق ہے تو گویا اس نے کفر اکبر کیا، ظلم اکبر اور فسق اکبر کا مرتکب ہوا اور اگر بغیر حلال سمجھے ہوئے کیا تو اس نے کفر اصغر و ظلم اصغر و فسق اصغر کیا جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''سباب المسلم فسوق وقتاله کفر'' (بخاری ۴۸، مسلم ۶۴) اس حدیث میں فسق اصغر اور کفر اصغر مراد ہے اور عبارت کو توبیخا عمل منکر پر محمول کیا گیا ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین فرماتے ہیں کہ کسی شخص معین یا کسی جماعت یا کسی فرقہ پر جب وہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اس پر کفر کا حکم لگانا یہی تکفیر ہے۔ تو جو یہ گناہ کرے مثلاً زنا، سود لینا، قتل کرنا، شراب پینا، یتیم کا مال کھانا، کسی پر تہمت لگانا وغیرہ اس جیسے گناہ کفر تک نہیں پہنچتے ہیں۔ اگر یہ گناہ کرنے والا مسلمان ہو، اس سے یہ گناہ سستی لاپرواہی سے ہو، اور توبہ کرنے والا ہو اور احادیث میں وارد وعیدوں پر اعتقاد رکھتا ہو صرف خواہشات نفس کی بنیاد پر یہ گناہ اس سے سرزد ہو گیا ہو تو ایسے گناہ گار کو کافر نہیں کہیں گے تکفیر کے فتنہ اور خطرہ سے باہر ہوگا اسے اللہ کی مشیت پر محمول کریں گے اگر اللہ چاہے تو اس کے گناہ کو معاف کرے اس کو جنت میں داخل کردے اور اگر اللہ چاہے تو ان کے گناہوں کے مطابق عذاب دے یا جنت میں داخل کردے۔

لیکن یہ اس صورت میں ہوگا کہ جب وہ محرمات کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو جو نص اور اجماع کے ذریعہ حرام ہوں مثلاً زنا، ربا، قتل، شرب خمر وغیرہ جیسے گناہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ حلال ہے ان کا کرنا جائز ہے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے یا شریعت نے ان کی حرمت میں غلطی کی ہے تو اس اعتقاد اور عقیدہ کی بنیاد پر یہ عمل کرتا ہے تو شریعت کی مخالفت کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم لگے گا اور وہ کافر مانا جائے گا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ننانوے ناحیہ سے کفر کا متحمل ہے لیکن ایک ناحیہ سے ایمان پایا جاتا ہے تو اسے مسلمان ہونے کے حسن ظن پر محمول کیا جائے گا اور اسے مسلم سمجھا جائے گا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلم کوئی گناہ کرتا ہے تو اس گناہ کی بنیاد پر اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔ ہاں اگر دین اسلام کے حکم کا منکر ہے یہ جانتے ہوئے انکار کرتا ہے کہ اسلام میں اس عمل پر کفر کا حکم ہے پھر بھی کرتا ہے تو اس پر کفر کا حکم نافذ ہوگا۔ اگر نو مسلم ہے اسلامی احکام کو نہیں جانتا ہے اور وہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو پہلے اسے تنبیہ کی جائے گی اسلامی احکام کو بتایا جائے گا اس کے باوجود اس پر مستمر رہتا ہے تو اس پر کفر کا حکم ہوگا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ج۱، ص۱۵۰)

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں جو باب باندھا ہے ''باب کفر ان العشیر وکفر دون کفر'' (صحیح بخاری کتاب الایمان ۲۱) قاضی ابوبکر ابن العربی اس کی شرح میں بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح اطاعت کا نام ایمان ہے اسی طرح معاصی کو کفر کہا جائے گا لیکن یہ کفر مطلق ہوگا اس کفر سے مراد خارج از ملت نہیں ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اس امت کا جاہل اور مخطی اگر کفر یا شرک کا مرتکب ہوا تو اس کے کرنے والے کو کافر یا مشرک نہیں کہیں گے اس کے جہل اور خطا کو عذر سمجھا جائے گا الا یہ کہ اس کو دلیل مل جائے کہ ایسے عمل کے کرنے والے کو کافر اور مشرک کہا جائے گا امام احمد کا بھی یہی قول ہے کہ اس کے جہل کو عذر سمجھا جائے گا۔

خلاصہ کلام: اب تک کی بحث سے یہ ثابت ہوا کہ کسی پر کفر کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اگر چہ اس سے گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ سرزد ہو جائے ہاں اگر اعتقادی طور پر شرعی احکام کا منکر ہے صراحت سے اس کا انکار کرتا ہے تو فتنہ تکفیر میں شامل ہوگا اس کی خطرناکی یہ ہوگی کہ اس کو خارج از ملت قرار دیا جائے گا جس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

اسأل الله باسمائه الحسنى وصفاته العلى ان يفتح قلوب المسلمين لتفهم كلامه والعمل بشرعه والاعراض ما يخالفه وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه واتباعه باحسان الى يوم الدين.

مراجع ومصادر

(١) القرآن الكريم (٢) صحيح بخارى (٣) صحيح مسلم (٤) مسند امام احمد (٥) مجموعه فتاوى ورسائل شيخ ابن جبرين (٦) فتنه تكفير للالبانى (٧) فتاوى اللجنة الدائمة

☆☆☆

ہماری جانب سے تمام
مؤقر قارئین اور ہندوستان
وعالم اسلام کے مسلمانوں کو
عیدالفطر مبارک ہو۔
(دفتر جریدہ ترجمان)

محمد غفران سلفی، متعلم شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی

امن عالم اور اسلامی غزوات

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه أجمعين اما بعد

زمانہ جاہلیت میں دنیائے انسانیت بدامنی، بے اطمینانی اور ظلم وتشدد کی آماجگاہ تھی اور انسانی قدروں کی پامالی اور زوروزبردستی کی بالادستی تھی۔اس عہد پرفتن اور دور پرآشوب میں نبی امی مبعوث ہوئے اور ساری دنیا میں آپ کی دعوت سے سسکتی انسانیت مامون ہوگئی اور سکون کا سانس لینے لگی۔راستے محفوظ ہوگئے اور دنیا امن وامان کا گہوارہ بن گئی۔

لیکن نوروظلمت کی روایتی کشمکش نے اسلام کو بھی آدبوچا چنانچہ روز اول سے آج تک اسے غلط فہمیوں اور غلط بیانوں کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

معترضین اور معاندینِ اسلام کی زبانوں اور قلموں کو جنبش میں لانے کا جو چیز قوی ترین محرک ثابت ہوئی ہے وہ غزوات رسول ﷺ ہیں۔اعداء اسلام کی طرف سے باربار یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ غزوات رسول قیام امن کے مخالف تھے اور ظلم وتشدد پر مبنی تھے اور محمد ﷺ نعوذ باللہ جنگجو تھے۔انہوں نے اپنے مذہب کی خاطر جنگیں لڑیں، جیسا کہ ''دی ایجوکیشن انسائیکلو پیڈیا'' میں ہے کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کے پیرو کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا تو انہوں نے اپنے عقائد بزور شمشیر منوانے کی ٹھانی اور جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا اور پورے ملک عرب کو فتح کرڈالا۔(۱)

ان حالتوں میں یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ غزوات رسول اللہ ﷺ کے حقیقی مقاصد سے دنیا کو متعارف کرایا جائے اور اسلامی تاریخ کو مسخ ہونے سے بچایا جائے۔

امن کا معنی: اس کا معنی لغت میں چین، آرام، سکون اور اطمینان وغیرہ کے ہیں۔(۲) لسان العرب میں علامہ ابن منظورؒ نے کہا ''الامن ضد الخوف''(۳) (امن خوف کی ضد ہے) اسی سے اللہ عزوجل کا فرمان ''وآمنهم من خوف'' ہے۔(۴) اور خوف میں امن وامان دیا۔(ترجمہ جونا گڑھی)

اسلامی غزوات سے مراد: غزوات غزوہ کی جمع ہے، یہ غذا یغزو غزواً ومغزیً سے ماخوذ ہے اور غزوہ اسم نکرہ ہے اس کا لغوی معنی دشمن کا قصد کرنا ہے۔(۵)

اصطلاح میں اسلامی غزوات سے مراد زمانہ اسلام میں پیش آنے والے ان فوجی مہموں کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں، خواہ جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو(۶) اور ایسی فوجی مہموں کی تعداد علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے مطابق اور علامہ قاضی سلیمان منصور پوریؒ کے نزدیک ستائیس ہے۔(۷)

امن عالم اور اسلام:

امن وسکون اور اطمینان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس سماج اور معاشرہ کو امن وامان حاصل ہے اس پر اللہ رب العزت کا خاص کرم ہے کیونکہ اسی امن وسلامتی کی بنیاد پر سماجی ترقی ہمہ جہت اور ارتقاء وخوشحالی کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔آج دنیا امن کی کتنی پیاسی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہرسال قیام امن اور تحفظ کے نام پر دنیا میں اربوں کھربوں ڈالر کے ہتھیار خریدے جاتے ہیں لیکن نتیجہ صفر کا صفر ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات ہی امن وامان قائم کرنے کا ضامن ہیں۔جرمنی کے سابق سفیر مراد ہوف نے ناٹو کے وزرائے دفاع کے ایک بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مغربی ممالک کی نوجوان نسل جن فکری، سماجی اور نفسیاتی امراض (اور عام بدامنی) سے دوچار ہے اس کا علاج مغربی آئیڈیا لوجی سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کا واحد راستہ اسلام ہے۔(۸)

مذہب اسلام اپنی فطرت وتعلیمات اور مقصد وجود کے اعتبار سے سرتاپا امن وشانتی کا دوت ہے یہاں تک کہ ایمان واسلام کے الفاظ ہی میں امن وسلامتی کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ ''ایمان'' ''امن'' سے ہے جبکہ ''اسلام'' کا روٹ ورڈ ''سلم'' ہے جس کا معنی بھی امن کے ہوتے ہیں۔چنانچہ اسلام نے امن وسلامتی کا پیغام عام کرنے کے لئے ایک دوسرے کو سلام کرنا مشروع قرار دیا ہے۔حدیث میں ہے۔ وتقرى السلام على من عرفت ومن لم تعرف (۹) تم آشنا اور نا آشنا دونوں سے سلام کرو۔مذہب اسلام میں مومن اور مسلم ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ لوگوں کو امن وسلامتی دی جائے۔ارشاد نبوی ہے: المسلم من سلم الناس من لسانه ويده (۱۰) ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔اسلام کی نظر میں زمین میں بدامنی پھیلانے والا سخت سزا کا مستحق ہے۔ارشاد ربانی ہے۔اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي

الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۱۱) ترجمہ: ان کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کردیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ یا انہیں جلا وطن کردیا جائے، یہ تو ہوئی ان کو دنیوی ذلت وخواری اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔ (ترجمہ جونا گڑھی) اسی طرح اسلام کی نظر میں ایک انسان کے جان کی حفاظت پوری انسانیت کی جان کی حفاظت اور ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاهَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (۱۲)

ہر طرح کا ظلم وزیادتی، حق کی مخالفت، باطل کی حمایت، اہل کفر وشرک اور معصیت سے تعاون ومحبت اور دین واخلاق سے عداوت، اسلام کی نظر میں فساد اور دہشت گردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۱۲) دوسری جگہ ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ (۱۳) حکومت پا کر خدا کے مقابلہ میں خود مختاری کرنا، ملک گیری اور مفتوح قوم میں ذلیل اخلاق پیدا کرنا، ضرر رسانی اور لوگوں میں خوف پیدا کرنا، فواحش کا ارتکاب کرنا اور اس کی نشر واشاعت کرنا یہ سب اس دین الٰہی کی نظر میں ظلم، فساد، آتنک واد، ارہاب اور دہشت گردی ہے جس پر قرآن کی بے شمار آیتیں شاہد ہیں۔

امن عالم کے قیام میں غزوات رسول اللہ ﷺ کا کردار

الف: قیام امن کے لئے جنگ کی ضرورت:

جنگ ایک ایسی اجتماعی ضرورت ہے جسے انسانی معاشرہ بعض ان اجتماعی مسائل ومعاملات کو حل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے جو مصالحانہ حل سے بہت دور ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرہ میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں کہ ہتھیار اٹھانا ایک اخلاقی فریضہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ مذہب اسلام نے اسی اخلاقی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جنگ کی اجازت دی ہے اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا (۱٤) ترجمہ: جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انھیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اور اگر اللہ تعالی لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے، گرجے، مسجدیں، یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی سب ڈھائے جاچکے ہوتے جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔

اسلامی جنگ کے دو مقاصد یہاں بیان کیے گئے ہیں (۱) مظلومیت کا خاتمہ (۲) اعلائے کلمۃ اللہ۔ اس لئے کہ مظلومین کی مدد اور ان کی دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زور آور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلہ لوگوں کو جینے ہی نہ دیں، جس سے زمین فساد سے بھر جائے۔ اسی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کوشش نہ کی جائے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبہ سے بھی دنیا کا امن وسکون ختم ہوجائے اور اللہ کا نام لینے والوں کے لئے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔ (۱۵)

معلوم ہوا کہ اسلام میں جنگ کی اجازت امن وسلامتی کو برقرار رکھنے، بدامنی کو دور کرنے اور سماج کے مفسد عناصر کا خاتمہ کرنے کے لئے ہے۔

ب: غزوات میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات: امن عالم کے نقطہ نظر سے:

اسلام سے پہلے دنیا کا تصور جنگ صرف اور صرف اپنی مفاد کے لئے تھا، ان کی جنگوں میں شجاعت وجواں مردی کا جوہر تو ضرور تھا مگر اخلاقی فضیلت وانسانی شرافت کا نام تک نہ تھا۔ ان کے نزدیک جنگ میں وحشیانہ طریقے وبہیمانہ افعال روا تھے لیکن اسلام نے ایسے ماحول میں ایک نیا اور بالکل انوکھا نظریہ پیش کیا۔ جنگ کے لئے نہایت پاکیزہ اصول وضابطے متعین فرمائے اور غزوات میں آپ ﷺ نے ایسی تعلیمات دیں جو قیام امن کے لئے بے مثال ہیں ان میں سے چند اختصار کے ساتھ بیان کیے جارہے ہیں۔

۱۔ غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز: اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ راتوں اور خصوصا آخر شب میں جبکہ لوگ بے خبر سوئے ہوتے اچانک جا پڑتے۔ آپ ﷺ نے اس کو بند کردیا اور قاعدہ مقرر کیا کہ صبح سے پہلے کسی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں "کان اذا جاء قوما بلیل لم یغر علیه حتی یصبح (۱٦) یعنی آں حضرت ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہوجاتی حملہ نہ کرتے تھے۔

۲۔ آگ میں جلانے کی ممانعت: عرب اور غیر عرب شدت انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت سے منع کرتے ہوئے فرمایا: لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار (۱۷) یعنی

آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے کسی اور کو سزاوار نہیں۔

۳۔قتل صبر کی ممانعت: رسول اللہ ﷺ دشمن کو باندھ کر قتل کرنے اور تکلیفیں دے دے کر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے۔حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "سمعت رسول الله ﷺ نهى عن قتل الصبر" (۱۸) ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل سے منع کرتے سنا۔

۴۔لوٹ مار کی ممانعت:عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نهى النبي ﷺ عن النهبى والمثلة (۱۹) یعنی آپ ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۵۔تباہ کاری کی ممانعت:افواج کی پیش قدمی کے وقت فصلوں اور کھیتوں کو تباہ و برباد کرنے اور بستیوں میں قتل عام اور آتش زنی کرنے کو اسلام نے فساد سے تعبیر کیا ہے۔قرآن مجید میں آیا ہے۔''وَإِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ'' (۲۰) ترجمہ :جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے (ترجمہ جونا گڈھی)

۶۔مثلہ کی ممانعت :اسلام سے قبل جوش انتقام میں اعضاء کی قطع و برید کر کے زندوں کا بدلہ مردوں سے لیا جاتا تھا جبکہ اسلام نے اس سے سختی سے منع فرمایا۔ارشاد نبوی ہے:''ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا'' (۲۱) یعنی اور نہ تم مثلہ کرو اور نہ بچے کو قتل کرو۔

۷۔عورتوں اور بچوں کے قتل سے ممانعت :عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ''نهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان'' (۲۲) یعنی رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

۸۔قیدیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ :اسلامی شریعت نے عام قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کی ہے اور اسے نیکی میں شامل کیا ہے جو ایمان کی علامت ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے جو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں فرمایا:''وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا'' (۲۳)

۳۔اسلامی غزوات اور غیر اسلامی جنگوں کا تقابلی جائزہ: تمام اسلامی غزوات میں رسول ﷺ نے دشمنوں کی معافی اور امن و امان کے قیام کے لئے جو اقدامات پیش کئے ،قوموں اور ملکوں کی تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے بلکہ انہوں نے مفتوح اقوام کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا اور امن و امان کو بالائے طاق رکھ کر ظلم و بربریت کا جو ننگا ناچ ناچا اس کو بیان کرتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔جیسا کہ ۷۰ء میں ٹیٹوس رومی نے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد مفتوحوں کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا۔

اسی طرح ۵۴۰ء میں جب نوشیرواں نے شام پر چڑھائی کی تو باشندوں کا قتل عام کر کے شہر میں آگ لگوا دیا (۲۴) اس کے برعکس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا''لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا أنتم الطلقاء" آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔(۲۵)

اسی طرح اسیران جنگ پر ظلم کے پہاڑ توڑنا اس زمانہ کے تمام قوموں میں ایک معمولی بات تھی عرب بھی اس سے پیچھے نہ تھے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں میں سے اکثر سے فدیہ لے کر اور بعض قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے رہا کر دیا (۲۶) غزوہ بنو مصطلق میں تقریباً ایک سو مرد و عورت قید ہوئے تھے ان سب کو آپ نے بلا کسی معاوضہ کے آزاد کر دیا (۲۷) حدیبیہ کے میدان میں جب جبل تنعیم سے ستر یا اسی حملہ آور قید ہوئے تھے تو آپ نے سب کو بلا کسی شرط کے آزاد فرما دیا تھا (۲۸) اسی طرح غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو بلا کسی شرط و جرمانہ کے رہا کر دیا تھا (۲۹) عام طور پر جنگوں میں مفتوحہ ملک سے جو مال و دولت ہاتھ آتا تھا وہ فاتح کا حق سمجھا جاتا تھا دربار کے امراء اس سے حسب حیثیت مستفید ہوتے تھے آپ نے بحکم خداوندی اس میں بے بسوں اور لاوارثوں کے حقوق مقرر فرمائے۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ کی اجازت کے بعد آٹھ یا نو سال کی پوری مدت میں آپ کے کل غزوات و سرایا کی تعداد مشہور سیرت نگار نبوی قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے مطابق بیاسی ہے اور ان تمام غزوات و سرایا میں مخالفین کے کل قیدی ۶۴-۶۵ اور کل مقتول ۷۵۹ تھے اور مسلمانوں میں سے کل ۲۵۹ شہید اور صرف ایک بزرگ قید ہوئے۔(۳۰) اس کے مقابلے میں جب ہم عالمی جنگوں میں مقتولین کی تعداد کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں چوسٹھ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں اور دوسری جنگ عظیم میں ساڑھے تین کروڑ سے چھ کروڑ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا (۳۱)

نیز جان پورٹ کی روایت کے مطابق ڈیڑھ کروڑ کے قریب انسان عیسائی مذہب کی بھینٹ چڑھا دیئے گئے تھے۔فرانس و امریکہ اور روس نے جمہوری سلطنتیں قائم کرنے کے لئے لاکھوں سے زیادہ انسان تہ تیغ کر دیئے۔اسی طرح مہابھارت کے مقتولین کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔(۳۲)

اس تقابلی جائزہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غزوات کیے وہ جارحانہ نہیں بلکہ دنیا میں امن و سلامتی کے لئے تھے۔

خلاصہ کلام:

☆ مذہب اسلام سراپا امن و سلامتی کا مذہب ہے۔فساد و دہشت گردی کا نہ

صرف مخالف ہے بلکہ اس کے لئے سزائیں بھی تجویز کرنے والا ہے۔

☆اسلامی غزوات قیام امن کے لئے ،بعض حالات میں ضروری اور ناگزیر تھے اور آپ نے جو بھی غزوہ کیا ہے اس کا مقصد صرف اور صرف قیام امن ہی رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جانوں کا ضیاع غیر اسلامی جنگوں کے مقابلے میں اسلامی جنگوں میں بہت ہی معمولی ہے۔

☆ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن پر ہر وہ شخص واقف ہوسکتا ہے جو تعصب کی عینک اتار کر اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کرے۔

☆ سوامی برج نرائن سنیاسی لکھتے ہیں کہ'' پیغمبر اسلام نے ایک جنگ بھی جارحانہ نہیں کی بلکہ ہر ایک موقع پر مدافعانہ لڑائی لڑنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا گیا۔(۳۳)

آخر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ دنیا میں امن وامان قائم رہے۔آمین وصلی اللہ نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

حوالہ جات

(۱)ندائے اعتدال، ج۲شمارہ۸،۹ فروری ومارچ ۲۰۱۱ء ص۱۹(۲)فرہنگ آصفیہ ج۱،ص:۲۳۴ ونوراللغات ج۱،ص:۴۰۷(۳)لسان العرب، ج۱۵، ص:۱۶۰(۴) القریش:۴(۵) المعجم الوسیط، ص:۶۵۲(۶) الرحیق المختوم ،ص:۲۶۹(۷)پیغمبر عالم ،ص:۵۶۷(۸) عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ کے انٹرویو سے ماخوذ ،دعوت دہلی بحوالہ المجتمع شمار ۱۹۴۵ء (۹) رواہ البخاری ،کتاب الایمان ،باب افشاء السلام من الاسلام۔ ج۲، ص۲۸(۱۰)مسند احمد ،ج،۳۹،ج۲۳۹۵۸،ص:۳۸۱ وصحہ شعب الارناؤط (۱۱) المائدہ :۳۳(۱۲) المائدہ :۳۲(۱۳)الانعام:۸۲(۱۴) النحل:۸۸(۱۵) الحج:۳۹۔۴۰(۱۶)تفسیر احسن البیان(۱۷) رواہ الترمذی۔ ح:۱۵۵۰، وصحہ الالبانی ؒ(۱۸) رواہ ابوداؤد حدیث نمبر۲۶۷ وصحہ الالبانی ؒ(۱۹) رواہ احمد، ۳۸۲۳۵۹۰/۵۶۱(۲۰) رواہ البخاری ح،۲۴۷۴،ص۴(۲۱) البقرہ:۲۰۵(۲۲) صحیح مسلم، ح:۴۵۲۲(۲۳) رواہ البخاری، ح:۳۰۱۵،ومسلم ،ح:۴۵۴۷(۲۴) الدھر:۹۸(۲۵) الجہاد فی الاسلام،ص:۲۱۲(۲۶) الرحیق المختوم،ص:۵۵۱(۲۷) الرحیق المختوم ،ص:۳۱۴(۲۸) پیغمبر عالم ،ص۳۲۰(۲۹) الرحیق المختوم، ص:۴۶۴(۳۰) رحمۃ للعالمین، ۱/۱۲۸(۳۱) رحمۃ للعالمین ۲/۲۱۳(۳۲) الصادق الامین، ص۳۸۷(۳۳) نقوش رسول نمبر۴/۳۲۰(۳۴) اسلام، قرآن، محمد غیر مسلموں کی نظر میں۔ص۳۴۳

☆☆

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تازہ ترین پیش کش

تاریخ ردقادیانیت اور خدمات اہل حدیث کے سلسلہ میں معلومات کا خزانہ

ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے قلم سے

تحریک ختم نبوت (1 تا 25 جلدیں)

تاریخ اہل حدیث (1 تا 8 جلدیں)

مکتبہ ترجمان کی مطبوعات پر 50% کی رعایت، مدارس، جامعات، مکتبات اور تاجران کتب درج ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ملنے کاپتہ

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل، 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔110006

فون:011-23273407، فیکس:011-23246613

بچوں کی تربیت میں کمی وکوتاہی کے اسباب

تحریر: ڈاکٹر محمد اسماعیل المقدم
ترجمہ: عبدالمنان شکراوی، اہل حدیث منزل، دہلی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:٦) ترجمہ: ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔'' اسلامی طرز تربیت کا مقصد اولاد کو جہنم سے بچانا اور ایسی نسل کی نشو ونما ہے جو اپنے دین ودنیا دونوں کے لئے کام کرے۔ نیکی، پرہیزکاری، ایمان اور توحید کے ذریعہ دنیا وآخرت کی سعادت ونیک بختی سے ہمکنار ہو۔ ہر انسان اپنے اپنے تہذیبی معیار کے مطابق تعلیمی ناخواندگی کو تو سمجھتا اور جانتا ہے لیکن تربیتی ناخواندگی کے سلسلے میں سب نادان وناسمجھ ہیں۔ جس کی بنا پر وہ اپنی اولاد کی تربیت میں غلط رویہ اختیار کرتے ہیں لہٰذا ہر ماں باپ کے لئے لازم وضروری ہے کہ وہ تربیت کی اساس وبنیاد کو جانے اور سمجھے نیز اس سلسلے میں صحیح طریقہ اختیار کرے۔ آج کا موضوع بحث تربیت میں خلل اور تربیت میں ہمارا موقف ہے۔

اسلام مخالف تربیت: جب آپ کسی سے کہیں کہ یہ کیا ہے؟ تو وہ جواب دے مجھے معلوم نہیں۔ اسی کو جہالت کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی سے پیالے کے بارے میں دریافت کریں اور وہ جواب دے کہ یہ کتاب ہے۔ تو اس کا یہ جواب غلط ہے۔ کیونکہ اسے پیالے اور کتاب کی تمیز نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ غلط جانکاری جہالت کی ایک قسم ہے لیکن کبھی کبھار یہ جہالت سے بھی زیادہ خطرناک ہوجاتی ہے۔ میرا مقصد ہے کہ کچھ لوگ تو تربیت کو سرے سے خاطر میں ہی نہیں لاتے، انہیں اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ لیکن کچھ دوسرے لوگ تربیت میں غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں جو کہ صحیح اور درست اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔ اس بیماری اور انحراف کا علاج کرنا ضروری ہے نیز غلط فہمیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا لازمی ہے۔

تربیت کے معاملے میں لوگوں کی قسمیں: تربیت کے سلسلے میں لوگوں کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض لوگ تربیت کے معاملے سے بالکل غافل ہیں اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں، انہیں اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ ان کی تمام تر توجہ بچے کی جسمانی نشو ونما پر مرکوز ہوتی ہے۔ اب وہ گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ اب بولنا شروع کردیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کی نظر میں بچہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جو بڑھ رہا ہے اور دوسری باتیں جن کی جانب اس کی توجہ ہونی چاہئے ان سے وہ بالکل بے خبر ہے۔ اکثر لوگوں کے یہاں تربیت سے متعلق بیداری ہے ہی نہیں اور اس میں اچھے اچھے مہذب لوگ بھی شامل ہیں۔ ان کے نزدیک تربیت کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، وہ سمجھتے ہی نہیں کہ تعلیم کی طرح تربیت بھی انتہائی ضروری کام ہے جس کا خیال رکھنا اور اس کے لئے محنت کرنا بہت اہم ہے۔ اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ تربیت ایک خودکار یا آٹومیٹک عمل ہے جو اپنے آپ ہوجاتا ہے۔ اسے آدمی عام احساس سے حاصل کرلیتا ہے اور کوشش کرنا چاہے تو کچھ چیزیں اپنے موروثی تجربات جنہیں باپ دادا سے سیکھتا ہے اس میں مزید اضافہ کرسکتا ہے۔

موجودہ دور جس میں تربیت کا عمل کافی مشکل ہوگیا ہے، اس میں زیادہ تر لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ وہ اپنے بچوں سے کس طرح صحیح ومناسب برتاؤ کریں۔ کیونکہ اس زمانے میں تضادات کی بھرمار ہے جن سے انسان کشمکش کا شکار ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں عجیب وغریب الجھن میں مبتلا ہیں کیونکہ انہیں افکار ونزعات کے موجیں مارتے سمندر میں صحیح راستے کی جانب رہنمائی وقیادت کا کوئی اہل ہی نظر نہیں آتا۔

ہائی ٹاورز: تربیت سے متعلق بڑی اونچائی سے بات کرنا معمولی عقل والوں کے مفاد میں نہیں ہوتا۔ تربیت کی بات تو بہت لوگ کرتے ہیں لیکن وہ بڑی اونچائی سے یا پیچیدہ اکیڈمیوں کی ریسرچ کے حوالے سے بات کرتے ہیں جس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اکیڈمی لیول کی بات متخصصین واسپیشلسٹ کے لائق ہوتی ہے اس کے برعکس عام انسان کے لئے اس کا فائدہ نہیں ہوتا۔ تربیتی مشکلات کے حل کی غرض سے کبھی کبھار کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں ان میں بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں قریب البلوغت افراد کی مشکلات پر گفتگو ہوتی ہے۔ بسا اوقات میڈیکل کالج کے اساتذہ نے بھی ان مشکلات کے حل کے لئے پیش رفت کی لیکن ان میں بھی گفتگو سرمایہ دار طبقہ کے اردگرد ہی گھومتی رہی۔ اس میں ایسی تفاصیل پیش ہوئیں جن میں لوگوں کی اکثریت کے مفاد میں کوئی بحث ہوئی ہی نہیں۔

تربیت کا مغربی انداز: بعض لوگ مغربی طرز تربیت پر بڑے فریفتہ ہوجاتے ہیں اور اسے اندھادھند ہمارے ماحول پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک مچھلی تھی جو سیلاب میں بہہ کر آ گئی۔ سیلاب اسے آگے کی طرف دھکیل رہا تھا۔ ایک بندر آیا اور اس نے اسے بچانے کی غرض سے پانی سے باہر نکال دیا۔ جو کہ کسی طرح بھی اس کے مفاد میں نہ تھا۔ اگر ہماری تہذیب کے علاوہ کسی اور تہذیب کے ساتھ ہمارا واسطہ پڑے گا یا کسی دوسرے مذہب کا ہمارے مذہب سے سابقہ پڑے گا تو کسی بھی طرح مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ ہمارا معاملہ تو اسی سے درست ہوسکتا ہے جس سے اس امت کے پہلے شخص کا ہوا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اچھی تربیت اس کا نام ہے کہ باپ اپنے بچوں کے لئے اچھا لباس، اچھا کھانا اور سامان تفریح مہیا کرائے جبکہ بعض لوگ تربیت میں سختی کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو یہ بڑا اچھا لگتا ہے کہ فلاں شخص جب اپنے بیٹے کو گھور بھی دیتا ہے تو مارے ڈر کے کپکپانے لگتا ہے۔ اور ایسے باپ کو بڑا اچھا مربی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس بعض لوگ اتنی ڈھیل دیتے ہیں کہ بچے برباد ہوجاتے ہیں۔

ماں باپ کا غلط طریقہ: تربیت کا ایک خلل یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اسی نہج پر بچوں کی تربیت کرنا چاہتے ہیں جس پر ان کی اپنی تربیت ہوئی اور وہ اسے اپنے تشخص ووجود کا مسئلہ بنالیتا ہے اور ایک انچ اس سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کے

بعداسے دوسروں سے بیان کرتا ہےاوراس میں کسی بھی تنقید کو نہ برداشت کرتا ہےاور نہ ہی اس پر بحث وتمحیص یانظرثانی کے لئے تیار ہوتا ہے۔سرمایہ داروں کا جہاں تک تعلق ہےتو وہ تربیت کا کام غیروں مثلانوکرچاکروں پرچھوڑے رہتے ہیں جوکہ ایک نئ بیماری ہے۔ان کا تعلق ایسے ماحول سے ہوتا ہے جوبچوں کے حسب حال نہیں ہوتا۔

اچھے مربی کا فقدان: تربیت کا ایک خلل ونقص یہ بھی ہے کہ تربیت کی ذمہ داری ایسی معلمات کودے دی جاتی ہے جوخود غیرتربیت یافتہ ہوتی ہیں۔اور انہیں تربیت جیسے اہم کام سے مطلقا کوئی سروکار ہی نہیں۔تعلیم، تربیت کا ایک حصہ ہے،اس کے برعکس تربیت، تعلیم کا حصہ نہیں۔لہذاان دونوں میں بڑافرق ہے۔کہیں تعلیم اچھی ہوسکتی ہےضروری نہیں کہ وہاں تربیت بھی اچھی ہورہی ہو۔ایک چینی مثال ہے:اگرآپ کے پاس کوئی فقیرومحتاج آئے اورسوال کرے تو اسے مچھلی نہ دیں بلکہ مچھلی شکارکرنے کا جال دے دیں اوراسے مچھلی پکڑنا سکھادیں کیونکہ مچھلی دینا اس کی غریبی کا کوئی حل نہیں ہے۔جال دیکر مچھلی پکڑنا سکھادیں گےتو آئندہ اسے سوال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔اس لئے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری ہے۔تربیت ہوگی تو وہ الجھے مسائل کوبھی خود ہی سلجھالے گا۔تعلیم ایک نظریہ وتھیوری ہے جبکہ تربیت پریکٹیکل اوعملی شکل ہے جس سے تعلیم کے ذریعہ سیکھے ہوئے گروں کی عملی مشق ہوگی۔جومدرس ریاضی پڑھاتا ہے وہ سوال آسانی سے حل کرلیتا ہے۔وہ اس طرح صرف معلم نہیں ہوتا بلکہ اگرشاگردکوسوال حل کرنے کی عملی مشق کرادیتا ہےتو مربی بھی بن جاتا ہے۔

فسادی ذرائع ابلاغ: آج کل تربیت کا کام اساتذہ سےچھین کرذرائع ابلاغ کودے دیا گیا ہے جوبچوں کوبربادکرنے میں لگا ہوا ہے۔دنیا کے تمام دانشوروں کا اتفاق ہے کہ ذرائع ابلاغ میں سب سے زیادہ ٹیلی ویزن اپنے خطرناک رویے سے بچوں کی نفسیات خراب کررہا ہے۔امریکہ میں ایک تجویز یہ آئی ہے کہ بگاڑکوٹیلی ویزن اور ویڈیووغیرہ کے ذریعہ ہی سے روکا جائے۔اس میں امریکہ کے صدربھی شامل ہوگئے ہیں اورمطالبہ کررہے ہیں کہ لوگوں کواس مہم سے جڑنا چاہئے تاکہ ان کے طفیل جومجرمانہ سرگرمیاں بچوں کوبربادکررہی ہیں ان پرلگام لگائی جاسکے۔وہ غیرمسلم ہوکراس طرح کی فکرمندی کا مظاہرہ کررہے ہیں تو ہم تو مسلمان ہیں اورہمارے پاس قرآن وحدیث کی تعلیمات کی شکل میں ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ہمیں اپنے بچوں کی زیادہ فکرہونی چاہئے۔یہ بھی سچ ہےاوراس میں ذرابھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلامی تربیت کے خلاف صبح وشام بچوں پرجوتربیت تھوپی جارہی ہےاورمتوازی مہم چلائی جارہی ہے اس کا مقابلہ کرنااوراس سے نبردآزماہونا کوئی آسان کام نہیں ہےلیکن ہمت وحوصلہ اورعزیمت کا مظاہرہ کیا جائےتو کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔فارسی کا مقولہ ہے: مشکلے نیست کہ آساں نہ شود۔ ☆☆

ا۔**جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد،لڑکیوں کی دینی وعصری، اقامتی وغیراقامتی معیاری درسگاہ، اردو/عربی میڈیم

مسلمہ حکومت تلنگانہ

شعبہ جات: (1) حفظ وناظرہ (2) .L.K.G تا X مع متوسطہ وعالمیت (3) مختصرعالمیت (تین سالہ) دسویں پاس/فیل طالبات کے لئے (4) فضیلت (دوسالہ) داخلہ،تعلیم، قیام وطعام مفت (5) تدریب المعلمات والداعیات والمفتیات (ایک سالہ) برائے فاضلات،تعلیم، قیام وطعام مفت، ماہانہ اسکالرشپ

نوٹ: طالبات جامعہ سند عالمیت سے اردویونیورسٹی حیدرآباد کے .B.A میں اورسند فضیلت سے .M.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔

فون نمبرات: 9963635354/8008492052/9346823387/7416536037

(2) **جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد،لڑکیوں کی عصری اسلامی، اقامتی وغیراقامتی معیاری درسگاہ، انگلش میڈیم

شعبہ جات: .L.K.G تا x **مع اسلامک اسٹڈیز** فون نمبرات: 8074001169/9177550406

مسلمہ حکومت تلنگانہ

(3) **جامعة الفلاح** شریف نگر، حیدرآباد لڑکیوں کی دینی وعصری، اقامتی وغیراقامتی معیاری درسگاہ، اردو/عربی میڈیم

شعبہ جات: (1) حفظ وناظرہ مع انگلش، سائنس، تلگو وحساب (2) مختصرعالمیت (تین سالہ) مع کمپیوٹرکورس برائے SSC طلبہ (3) فضیلت (دوسالہ) تعلیم قیام وطعام مفت، مع ماہانہ اسکالرشپ

نوٹ: طلبہ جامعہ سند عالمیت سے مولانا آزاد نیشنل اردویونیورسٹی حیدرآباد کے B.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔فون نمبر: 9133428476/9502089170

(4) **فلاح انٹرنیشنل اسکول** شریف نگر، حیدرآباد ،لڑکوں کی عصری واسلامی، اقامتی وغیراقامتی معیاری درسگاہ، انگلش میڈیم

شعبہ جات: Nursery تا x **مع حفظ یا عالمیت** فون نمبر: 9505872810/9133428476

مسلمہ حکومت تلنگانہ

(5) **مرکز الأیتام** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد یتیم لڑکےاورلڑکیوں کے لئے اسکول وہاسٹل۔انگلش میڈیم۔جن لڑکے ولڑکیوں کی عمر 10 سال سے کم ہواوروالد یاوالدہ کا انتقال ہوگیا ہوان کے لئے تعلیم، قیام وطعام، کتب اور یونیفارم کے ساتھ طبی سہولیات کا مکمل انتظام ہے، جس میں سال بھرداخلے جاری ہیں۔

مسلمہ حکومت تلنگانہ

شعبہ جات (1) **حفظ وناظرہ** (2) .L.K.G تا x **مع دینیات** فون نمبرات: 9000002154/8008492052

المعلن: شریف محمد بن غالب الیمانی الاشراف، رئیس الجامعات

اسی توسع کی ضرورت ہے

محفوظ الرحمٰن فیضی، مئو 9795252620

مندرجہ ذیل سطور میں طلاق وتفریق سے متعلق چند ایسے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو اصل مذہب ومسلک ہے، بعد کے حنفی فقہاء وعلماء نے ان کو چھوڑ کر بتقاضائے حالات وزمانہ ضرورۃً دوسرے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے مذہب کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق فتوی دینے اور عمل کرنے کو درست قرار دیا ہے، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند) فرماتے ہیں:

(۱) **شوہر کا اخلاص**: ازدواجی رشتہ کی بنیاد دراصل آپسی محبت اور الفت پر ہے، یہ رشتہ میاں بیوی دونوں کو زندگی کا ساتھی اور ہم سفر بنا دیتا ہے کہ ان کا دکھ سکھ دونوں ایک ساتھ ہو، خوشی اور آرام، ان میں سے ایک کو دوسرے سے بے نیاز نہ کردے، اور نہ غم وآلام ایک کو دوسرے سے مایوس اور دور کردے۔ اس لئے اگر شوہر مفلس، غریب اور تنگ حال ہوجائے، ضروریات زندگی کی مناسب تکمیل نہ کرپائے تو عورت کو اس عظیم عہد کو یاد کرتے ہوئے صبر وبرداشت کرنا اور اسے جھیلنا اور گوارا کرنا چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حالات بدلیں گے۔

یہ تو اس صورت حالات کا اخلاقی پہلو ہے۔ مگر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ غذا انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور اس کے بغیر جینا اور اپنی عصمت وآبرو کو محفوظ رکھنا اور ہر تقاضائے طبیعت کو محبت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھاتے جانا ہر کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے قانونی اعتبار سے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ اگر شوہر نفقہ کی ادائیگی سے قاصر ہو، اس کے باپ اور دادا بھی عورت کی کفالت کو تیار نہ ہوں۔ اور نہ عورت خود اس موقف میں ہو کہ اپنی پرورش آپ کرلے، تو اسے حق ہے کہ قاضی کے پاس نکاح توڑنے (فسخ نکاح) کی درخواست دے، اور قاضی کے سامنے جب یہ بات ثابت ہوجائے کہ شوہر واقعی اس سے عاجز ہے اور بیوی کی واقعی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے۔ تو قاضی اپنی صواب دید پر شوہر کو کچھ دنوں کی مہلت دے، اگر اس مہلت سے بھی وہ فائدہ نہ اٹھا سکے، تو اس کا نکاح فسخ کردے۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اکثر صحابہ وتابعین اور جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ ایسی صورت میں عورت تفریق کا مطالبہ کرسکتی ہے اور قاضی شرع اس بنا پر نکاح فسخ کردے گا۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شوہر کا ادائیگی نفقہ سے عاجز ہونا بھی اس بات کی بنیاد نہیں بن سکتا کہ اس کا نکاح توڑ دیا جائے اور عورت کو گلوخلاصی دیدی جائے، بلکہ اس حالت میں عورت کو چاہیے کہ شوہر کے نام پر قرض لیتی رہے اور اس سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتی رہے۔ جس زمانہ میں اسلامی حکومت قائم تھی اس وقت ایسے قرضوں کا حصول ممکن تھا اور بیت المال ایسے مقروض افراد کی امداد کرتا تھا، لیکن آج کی دنیا میں ایسے فراخ دل تاجروں اور قرض دہندگان کا ملنا مشکل ہی ہے۔

اس لئے دار القضاء امارت شرعیہ بہار کا عمل یہ ہے کہ خود حنفی قاضی عورت کو ضرر سے بچانے اور نکاح کی مصلحتوں اور مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے بجائے شوافع ومالکیہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے) نکاح فسخ کردے اور حق یہ ہے کہ اس صورت کے سوا اور کوئی صورت ہمارے زمانہ میں قابل عمل نہیں ہے۔ (طلاق وتفریق ص ۶۷۔۶۹)

(امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز کردہ صورت پہلے بھی ناقابل عمل ہی تھی) اسی لئے پہلے کے فقہائے احناف نے بھی ضرورۃً یہ تدبیر نکالی تھی کہ حنفی قاضی کسی شافعی کو اپنا نائب مقرر کردے، اور وہ ان معاملات میں اپنے مسلک کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے نکاح فسخ کردے (شرح وقایہ ج۲ص ۱۷۴)

۲۔ **نفقہ ادا نہ کرنا**: اگر شوہر نفقہ ادا کرنے پر قادر اور مستطیع ہو مگر اس کے باوجود بیوی کی طرف سے غافل ہو اور نفقہ ادا نہ کرتا ہو اور دوسری طرف بیوی خود پریشان حال ہو۔ اپنی ضروریات کے معاملہ میں خود مکتفی نہ ہو، اور نہ اس کے سرپرست ہی اس موقف میں ہوں کہ اس کی مناسب مدد کرسکیں۔ (ان حالات میں اس مشکل کا کیا حل ہے؟)

(امام مالک وغیرہ کے نزدیک ان حالات میں اگر بیوی فسخ نکاح اور تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی حالات کی تحقیق کے بعد شوہر کو اصلاح احوال یا پھر طلاق دینے کا حکم دے گا۔ اگر شوہر اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو قاضی خود ان کا نکاح فسخ کردے گا اور ان کے درمیان تفریق کردے گا۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج۲ص ۵۸۲)

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خوش حال شوہر قصداً اپنی بیوی کا نفقہ ادا نہ کرے تو (بیوی کے مطالبۂ تفریق وفسخ نکاح کے باوجود) تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ بلکہ شوہر کو نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اس کے ساز وسامان بیچ دیئے جائیں گے، اور اس سے حاصل ہونے والی رقم عدالت بیوی پر خرچ کرے گی۔ (طحطاوی ج۲ص ۱۶۱)

مگر ظاہر ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی جو نجی شرعی عدالت ہوگی اس میں اس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے بجائے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہی کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔ ان حالات میں ہندوستان کے موجودہ حالات میں علماء احناف کا فتوی ہے کہ قاضی شرع حالات کی تحقیق کے بعد شوہر سے کہے گا کہ وہ طلاق دے دے اور اگر شوہر اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو وہ خود تفریق کردے گا، ایسے شوہر کو فقہ کی اصطلاح میں متعنت (Make to Trobuly) کہا جاتا ہے۔ (طلاق وتفریق ص ۶۹۔۷۰)

(۳)**شوہر کا لاپتہ ہونا**: جن بنیادوں پر زوجین کے درمیان تفریق کی جاسکتی ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ شوہر بالکل لاپتہ ہوجائے، اس کی موت وزندگی کی کوئی اطلاع ہی نہ ہو، ایسے لاپتہ شخص کو مفقود الخبر کہا جاتا ہے۔

ایسے مفقود الخبر (Missing) شوہر کی بیوی اگر محض شوہر کی عدم موجودگی اور غائب ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح، نکاح توڑ دینے کا مطالبہ کرے تو قاضی اس کے مطالبہ کے بعد سے چار سال انتظار کا حکم دے گا، اور اس مدت میں بھی اگر شوہر واپس نہیں آیا تو عورت کو عدت وفاۃ چار ماہ دس دن گذارنے کے بعد دوسرے نکاح کی اجازت دے دے گا۔ درخواست سے پہلے شوہر کے غائب ہونے کی جو مدت گزر چکی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

مفقود الخبر شخص کی بیوی کے سلسلہ میں صحابہ کا عمل مختلف رہا ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چار سال کی مہلت دے کر اس کا نکاح فسخ کر دیا تھا، (المحلی ج۱۰ص۱۳۴) حضرت امام مالک، امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ان سب کا یہی مذہب ہے۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسی عورت (زوجۂ مفقود الخبر) کو صبر کرنے کی تلقین کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس شوہر کی موت کی اطلاع آجائے یا وہ آکر طلاق دیدے، (الہدایہ ج۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کے عمل کو پیش نظر رکھ کر فرمایا کہ جب تک یہ قطعی اطلاع نہ آجائے، یا قرینہ سے اندازہ نہ ہوجائے کہ شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، اس وقت تک عورت کا کسی اور مرد سے نکاح درست نہیں ہوگا، اور یہ اندازہ اسی طرح ہوسکے گا کہ اس شوہر کے ہم عمر محلّہ کے دوسرے لوگوں کا انتقال ہوجائے (تو سمجھا جائے گا کہ اس شوہر غائب کا بھی انتقال ہوگیا ہے)

چونکہ ہمارے زمانہ میں احناف کی رائے پر عمل کرنا مشکل ہے، اس لئے خود ہمارے علمائے احناف نے بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کے بجائے امام مالک وغیرہ کی رائے اور مذہب پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے بقول مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کے کہ حضرت عمر نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا ہے اور ان کو امام مان لینا کافی ہے۔ (مجموعہ الفتاوی ج۲ص۴۳۷، نیز ''الحیلۃ الناجزۃ'' مولفہ مولانا تھانوی رحمہم اللہ) طلاق وتفریق ص۷۰)

مندرجہ بالا قسم کے مسائل میں امام مالک وغیرہ کے مذہب ومسلک کی بنیاد درحقیقت مندرجہ ذیل قسم کی نصوص کتاب وسنت پر ہے، عورتوں کے بارے میں اللہ جل شانہ نے یہ حکم فرمایا ہے۔

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (البقرہ:۲۳۱)

یعنی بیویوں کو دستور کے موافق بھلے طریقے سے رکھو یا بھلے طریقہ سے رخصت کردو محض ستانے کے لئے نہ روکے رکھو، یہ زیادتی ہوگی اور جو ایسا کرے گا وہ درحقیقت اپنے اوپر ہی ظلم کو لے گا۔

فرمایا: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء:۱۹)

اور ان کے ساتھ دستور کے موافق بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔

اور فرمایا: وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ (طلاق:۶)

اور انھیں تنگ کرنے کے لئے انھیں ستاؤ نہیں۔

اور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

کفی بالمرأ اثما ان یضیع من یقوت (ابوداؤد، نسائی وغیرہ)

آدمی کے گنہ گار ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جن کے نان نفقہ کی اس پر ذمہ داری ہے ان کی طرف سے بے پرواہ ہوجائے، انھیں ضائع کرے۔

اتقوا اللہ فی النساء...ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف (مسلم) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو،...ان کے غذا وخوراک اور لباس وپوشاک کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔

لاضرر ولاضرار (احمد، ابن ماجہ، دار قطنی وغیرہ)

نہ اپنے کو ضرر میں ڈالو، نہ ایک دوسرے کو ضرر پہنچاؤ۔

ودیگر نصوص، ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا حالات میں ان نصوص کتاب وسنت کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔

ان مسائل ونظائر کے پیش نظر اور ہندوستان کے موجودہ حالات وظروف کے تناظر میں ہمارے محترم علمائے احناف حفظہم اللہ کے یہاں کیا ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ پر نظر ثانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے؟ مذکور بالا مسائل میں جس طرح توسع اختیار کیا گیا ہے۔ کیا وہی توسع ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ میں اختیار نہیں کیا جاسکتا؟ اور ایسی تین طلاق کو بہر حال تین طلاق قرار دینے پر جمود وتشدد کے بجائے کیا ایک قرار دینے کا مسلک اختیار نہیں کیا جاسکتا اور اس کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا؟ یا کم از کم اس قسم کی مشکل میں مبتلا شخص کو یہ رعایت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اہل حدیث مفتی سے فتویٰ حاصل کرکے اس کے مطابق عمل کرے۔ جبکہ بقول امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ ان کے معاصرین ومتقدمین) اہل علم کی ایک جماعت کا یہ مسلک رہا ہے اور بقول مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی (فاضل دیوبند) عہد صحابہ وتابعین اور عہد نبوت ہی سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی قرار دی جاتی تھی، (شرح معانی الآثار ج۲ص۳۲ ایک مجلس کی تین طلاق۔ شائع کردہ اسلامک ریسرچ سنٹر ص۲۰،۲۱) اور ایک مجلس کی تین طلاق کو تین قرار دینے کی صورت میں بسا اوقات پیش آنے والی بہت سی مشکلات کا یہ معقول حل بھی ہے، جسے متعدد مسلم ممالک میں علماء کے مشورہ سے اختیار کیا جاچکا ہے، اور اسے ملکی مذہبی دستور کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ محترم پروفیسر طاہر محمود صاحب نے اسے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ اس کے نامعقول حل یعنی حلالہ ملعونہ اور اس پر اعتراضات وارده سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بھی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ووفقنا اللہ لمافیه خیر الاسلام والمسلمین آمین۔ ☆☆

اسلام میں جرم وسزا کا تصور

ڈاکٹر ابوالوفا محمد یونس

عہد جدید میں ''جرم وسزا'' کا سائنٹفک مطالعہ کیا جارہا ہے۔ ہر ملک میں جرائم کو کم کرنے کے لئے تجربات کئے جارہے ہیں مجرموں کے ذہن کو نفسیات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے کہ آیا مجرم نے جرم ایک طے شدہ پروگرام کے تحت کیا ہے یا کسی عارضی جذبہ سے مشتعل ہوکر یا پھر کسی شدید نفسیاتی الجھن اور کشمکش سے متاثر ہوکر ماہرین نفسیات ہی کی سفارش پر ملزم کو اس کے ذہنی کردار کی بنا پر سزا دی جاتی ہے بسا اوقات ملزم قتل کے الزام سے معمولی سی سزا پاکر بری ہوجاتا ہے کیونکہ ماہرین نفسیات یہ فیصلہ دے دیتے ہیں کہ اس کا جرم محض نفسیاتی کشمکش کا نتیجہ ہے، زنا بالجبر کے ملزم تو عموماً ماہرین نفسیات کے سہاروں پر بری ہوجاتے ہیں۔

اس تمام تحقیقات اور نئے نئے تجربات کا نتیجہ کیا ہورہا ہے؟ صرف یہ کہ جرائم میں زیادتی! جب حکومت یہ دیکھتی ہے کہ کسی خاص جرم کو باوجود بار بار کوشش کے بھی وہ کم نہ کرسکی تو وہ اس جرم کی سزا میں کمی اس لئے کردیتی ہے کہ یہ جرم ایک عام انسانی حرکت ہے اور آہستہ آہستہ آگے چل کروہ جرم کرنے سے جرم رہتا ہی نہیں۔ مثال کے طور پر آج سے چند سال پیشتر شراب پینا، شراب بنانا امریکہ میں جرم قرار پایا تھا۔ لیکن جب باوجود ہزار کوششوں کے اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو حکومت کو نظر ثانی کرنا پڑی اور آج وہاں شراب محض ایک سوڈے کی بوتل سمجھی جاتی ہے اسی طرح زنا کی صورت ہے۔ زنا اس وقت تک قابل سزا جرم نہیں جب تک کہ لڑکی یا لڑکی کا شوہر خود رپورٹ درج نہ کرائے۔ آج مغربی ممالک میں زنا کو محض ایک انسانی فعل سمجھا جاتا ہے باوجود اس کے کہ قانون موجود ہے مگر اس پر کوئی عمل درآمد اس لئے نہیں ہوتا کہ نہ کوئی مدعی ہوتا ہے اور نہ مدعا علیہ اس صورت میں جرم کس پر ثابت کیا جاسکتا ہے۔ سزاؤں میں بے انتہا کمی کا نتیجہ یہ ہورہا ہے کہ اکثر وہ مجرم جو کسی جرم کے پاداش میں معمولی سی سزا پاجانے کے بعد رہائی پاتا ہے تو وہ دوبارہ جرم کرنے میں بہت کم ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔

دوم قانون میں اتنی کمزوریاں موجود ہیں کہ مجرم پر جرم ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں رہتا اور کوئی عدالت اس وقت تک مجرم کو سزا دینے کا مجاز نہیں رکھتی جب تک کہ جرم پوری طرح ثابت نہ ہوجائے اس طرح مجرم اکثر کم ثبوت ہونے کی وجہ سے بری ہوجاتے ہیں۔

مغرب میں نفسیات کا اس وقت عدالتوں میں بہت زیادہ دخل ہے اگر ماہر نفسیات یہ سرٹیفکیٹ دے دیں کہ مجرم نے جرم کسی دماغی الجھن یا خلل کی بنا پر کیا ہے تو اس کو بجائے جیل بھجوانے کے دماغی ہسپتال کی آرام دہ فضا میں منتقل کردیا جاتا ہے۔

نفسیات نے انسانی ذہن کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس نے ثابت کیا ہے کہ اکثر جرائم انسان دانستہ نہیں کرتا بلکہ لاشعوری طور پر اس سے سرزد ہوجاتے ہیں سگمنڈ فرائڈ (بابائے نفسیات) نے اس قسم کے ہزاروں واقعات اور کیس پیش کئے ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں خواب میں عموماً اپنے بچے کو مردہ دیکھتی ہوں جس کی بنا پر مجھے بہت دہشت ہوتی ہے۔ فرائڈ نے کہا کہ اس بچے کی موت تمہارے ہاتھوں سے ہوگی۔ وہ نہ صرف پریشان ہوئی بلکہ فرائڈ کو کوستی ہوئی چلی گئی۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ آئی اس نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ بچے کی موت میرے ہاتھوں سے ہوگی وہ تو چارپائی سے گرکر مرگیا۔ لیکن فرائڈ نے جب اس کی ذہن کو کریدا تو ظاہر ہوا کہ اس کے دل میں بچے کے خلاف اس لئے نفرت تھی کہ اس کا باپ اس کو دغا دے گیا تھا۔ چنانچہ وہ لاشعوری طور پر اس بچے سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی تھی اور بسا اوقات اس کی یہ خواہش خواب میں پوری ہوجاتی لیکن بالآخر اس نے لاشعوری طور پر بچے کو تصویر لٹکانے کے لئے ایک چارپائی دی جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی چنانچہ جب بچہ اس چارپائی پر چڑھ کر تصویر ٹانگ رہا تھا تو اس کا توازن بگڑ گیا اور وہ گرکر ہلاک ہوگیا۔ آپ نے دیکھا کہ انسانی ذہن کس طرح اور کن طریقوں پر عمل کرتا ہے یہ واقعہ بہت الجھا ہوا ہے۔ جس پر پولس کوئی عمل نہ کرسکتی تھی لیکن ابھی کچھ عرصہ ہوا امریکہ میں ایک شخص گرفتار ہوا اس نے اپنی بیوی کو قتل کیا تھا۔ خون سے بھرا ہوا خنجر اس کے تکیہ کے نیچے سے برآمد ہوا۔ لیکن جب اس سے پوچھا تو اس نے صاف انکار کردیا کہ مجھے معلوم نہیں بلکہ وہ اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اس کی موت سے نیم دیوانگی کی سی حالت ہوگئی۔ پولس کو زیادہ ثبوت کی ضرورت نہ تھی قتل اسی شخص نے کیا تھا مگر اس کو ماہر نفسیات کے حوالے کردیا گیا۔ ماہرین اس نتیجے پر پہنچے کہ قاتل نے قتل دانستہ نہیں کیا بلکہ نیم خوابی کے عالم میں اس سے قتل ہوا ہے۔ جس میں اس کے شعور کو کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ قاتل بجائے تختہ دار پر جانے کے دماغی ہسپتال میں داخل ہوگیا۔

اسی طرح اور لاتعداد چھوٹے جرائم ہوتے ہیں اور اکثر مجرم ذہنی بیمار ثابت ہوتے ہیں ان کو بہت معمولی سزا دی جاتی ہے یا بالکل ہی بری کردیا جاتا ہے۔

اب ہم اسلام کے قوانین کی طرف آتے ہیں جو اس نے جرم اور سزا کے سلسلے میں مرتب کئے ہیں جن پر حکومت سعودیہ عربیہ میں اب بھی عمل درآمد ہوتا ہے۔ قاتل کو جان دے کر ہی چھٹکارا مل سکتا ہے اگر قتل ثابت ہوجائے تو پھر خواہ قاتل نے کسی جذبہ

کے تحت قتل کیا ہو اس کی جان بخشی صرف مقتول کے قریبی عزیزوں کے کہنے سے ہی ہوسکتی ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں خواہ اس نے چوری کسی بھی مجبوری سے کیوں نہ کی ہو۔ (اگرچہ پہلی اور دوسری چوری کی سزا نسبتاً کم ہے۔)

زنا کاری کی سزا اگر وہ شادی شدہ کی جانب سے ہو تو ''موت تک سنگسار'' کردیا جائے اگر کنوارے کی جانب سے ہو تو کوڑے لگائے جائیں۔ یہی نہیں بلکہ زنا کار کو گواہ اس فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لیں تو بھی وہ سزایاب ہوگا خواہ عورت یا عورت کے لواحقین شکایت کریں یا نہ کریں گویا اگر عورت کی رضا سے بھی یہ فعل ہو تو بھی سزایابی لازمی ہے بلکہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ عورت کی رضا بھی اس فعل میں شامل تھی تو دونوں کو سزا ہوگی اور برابر کی سزا ہوگی۔

اسلام میں قاتل کو یہ مراعات حاصل ہیں کہ اگر مقتول کے قریبی لواحقین اس کو معاف کردیں تو قانون کو اختیار حاصل نہیں کہ وہ قاتل کو سزا دے سکے۔ لواحقین میں بھی رشتہ کا قرب ہونا لازمی ہے تاکہ کوئی شخص روپے کے بل بوتے پر معافی حاصل نہ کرسکے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بظاہر یہ ''انسانیت سوز'' سزائیں لازمی ہیں یا موجودہ دور کے ماہرین نفسیات کی سفارشات قابل غور ہیں۔ یہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں نفسیات ہی کی روشنی میں جرم وسزا کا تجزیہ کرنا ہے کیونکہ نفسیات ہمیں انسان کے ذہنی اور دماغی اتار چڑھاؤ کا صحیح اندازہ دے سکتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہتر پہچانا ہے یا ہم نے اس کا صحیح تجزیہ کیا ہے۔ اس اللہ تعالیٰ نے جس نے اس کو پیدا کیا اور اس اسلام نے جس کو براہ راست اللہ تعالیٰ کے احکام ہونے کا دعویٰ ہے اس نے یہ سزائیں صحیح مقرر کی ہیں یا (نفسیات کے طالب علموں نے) ہم بجائے کسی جذبات کی رو میں بہہ جانے کے عقلی دلائل سے اس چیز کو پرکھتے ہیں جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلام ایک قطعی مکمل ضابطہ قانون'' ہے۔

نفسیاتی تحقیقات اور انسانی دماغ اور ذہن کی تحلیل نفسی نے بھی یہ بتایا ہے کہ انسان کے اندر جذبہ حیوانی بدرجہ اتم موجود ہے یعنی انسان پہلے ایک حیوان اور مابعد ایک انسان ہے۔ اگر آدم زاد کو جنگل میں پالا جائے اور اس کو کوئی انسانی سبق نہ دیا جائے تو اس کے اندر حیوانی جذبات ہی غالب ہوں گے۔ یعنی وہ ماں بہن اور بیوی میں تمیز نہ کرسکے گا اور اپنی حصول خواہش کے لئے قتل سے دریغ نہیں کرے گا۔ چوری کرنا اس کو قدرتی فعل محسوس ہوگا۔ یہ اس کی جبلی کیفیت ہے اور وہ اسی جبلت کے ساتھ پیدا ہوا۔ عہد قدیم کا آدم زاد ہمیں اس کی بہترین مثالیں پیش کرتا نظر آتا ہے۔ اب اس حیوان کو مہذب بنانے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس کو انسانیت کی تعلیم دی جائے کیونکہ ہماری کائنات کا یہ چکر یوں نہیں چل سکتا ہماری تہذیب اور سماجی اصول اس بات کو گوارہ نہیں کرسکتے کہ انسان محض ایک آدم زاد کی حیثیت سے زندگی گزارے اس طرح نہ صرف دوسروں کی بلکہ خود اس کی اپنی زندگی غیر محفوظ ہوجاتی ہے۔ اس کے تین طریقے ہیں۔ (۱) احساس فرض شناسی (۲) خوف (۳) لالچ۔

تحقیقات نے ماہرین نفسیات کو اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ انسانوں کو انسان بنانے میں صرف یہی تین ہتھیار کارآمد ہوسکتے ہیں لیکن ماہرین نفسیات ''خوف'' کا ہتھیار ایک بھونڈا اور غیر انسانی ہتھیار ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر ایک آدم زاد کے اندر فرض شناسی کا احساس پیدا کردیا جائے تو اس سے بہتر اور کوئی انسان نہیں ہوسکتا لیکن کیا ممکن ہے؟ اسلام کے تمام اصول اور قانون بھی انہیں تین ہتھیاروں پر بنائے گئے۔ سب سے پہلے اسلام نے آدمی کے اندر ''فرض شناسی'' کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کو بتایا ہے کہ تہذیب اور تمدن تم سے کیا چاہتا ہے اور تم کو کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد اسلام نے خوف کا احساس پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کے مصائب اور عذاب سے ڈرایا ہے اور پھر جنت اور کامیابی کا لالچ بھی دیا ہے۔

آپ نے اپنی اپنی زندگی میں بارہا تجربہ کیا ہوگا کہ بچے سے کوئی کام کرنے کے لئے آپ تین چیزوں سے کام لیتے ہیں۔ سب سے پہلے پیار ومحبت سے جو اس کے اندر فرض شناسی پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ دوم خوف زدہ کرکے، سوم لالچ سے مثلاً آپ ایک بچے کو پڑھنے کے لئے کہتے ہیں پہلے اسے بہلاتے ہیں اگر وہ نہ پڑھے تو پھر سزا دیتے ہیں یا خوف زدہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر یہ احساس بھی پیدا کرتے ہیں کہ اگر اس نے باقاعدہ پڑھا تو وہ انعام کا مستحق ہوگا خواہ وہ انعام آپ کی محبت (بہتر سلوک ہو یا کسی مادی چیز کی شکل میں ہو) کہیں بسا اوقات جب بچہ آپ کے کسی بھی کہنے پر عمل نہیں کرتا تو آپ کے پاس صرف خوف زدہ کرنا اور سزا دینا ہی ایک ہتھیار رہ جاتا ہے۔ پرانے طریقہ تعلیم کے استادوں کا ڈنڈا ایک مشہور چیز ہے۔

لیکن یہ سوال صرف بچوں کا تھا جبکہ اس سے پہلا سوال سوجھ بوجھ رکھنے والے مجرم کا ہے اس انسان کا جس کو بچپن سے فرض شناسی کی تعلیم دی جاتی رہی ہے جس کو احساس گناہ اور احساس جرم کا صحیح اندازہ ہے جس کو یہ سکھایا گیا ہے کہ جرم کرنا نہ صرف مذہبی طور پر برا ہے بلکہ اخلاقی اور سماجی طور پر بھی ایک بری چیز ہے۔ جس کو جرم اور سزا کا علم ہے۔ وہ محض ایک بچہ نہیں، اس میں اور بچے میں صرف اتنا فرق ہے کہ اس کا ذہن پختہ ہونے کے بعد ہر چیز کو عقلی طور پر پرکھتا ہے۔ جبکہ بچہ ایک کچی ٹہنی کی طرح مڑ جاتا ہے وہ کیوں؟ اور کیسے؟ کو بہت کم سوچتا ہے۔

بچے سے کوئی کام کروانے کے لئے ہمیں ہر بار اس کو خوف زدہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ پیار اور محبت کی زیادہ ضرورت ہوتی لیکن جو انسان کیوں؟ اور کیسے؟ کا سوال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر چیز کو اپنے عقلی دلائل سے سوچتا ہے۔ اس کے آگے پیار کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس کو صرف عقلی طور پر احساس ''فرض شناسی'' یا

ایک جیتا جاگتا بھیانک خوف ہی کسی فعل پر مجبور کرسکتا ہے۔اسلام نے انسان کو آج کے ماہرین نفسیات سے زیادہ بہتر سمجھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی سزائیں بظاہر انتہائی کرب ناک ہیں۔ بدقسمتی سے ماہرین نفسیات نے نوجوانوں کو بچہ ہی تصور کرلیا ہے۔ ان کے خیال میں جس طرح بچے کو پیار اور محبت سے اچھے کام کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے اور جس کو بچہ قبول بھی کرلیتا ہے۔اسی طرح ایک نوجوان مجرم کو بھی پیار اور محبت سے آئندہ جرم کرنے سے باز رکھا جاسکتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک ایسا چور جس نے کسی مجبوری کی بناء پر چوری کی ہو یا جو چوری کرکے پچھتا بھی رہا ہو اس کو سخت سزا دینے سے اس کے اندر انتقامی جذبہ کارفرما ہوسکتا ہے لیکن ہمیں اس چیز کی ضرورت نہیں کہ ایک مجرم جرم کرنے کے بعد دوسرا جرم نہ کرے۔ضرورت تو اس بات کی ہے کہ وہ جرم ہی ختم ہوجائے اور یہ محض اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہم ان انسانوں کے سامنے جیتی جاگتی مثال قائم کریں کیونکہ ہم کانوں سے زیادہ آنکھوں سے متاثر ہوتے ہیں۔مثلاً کسی شخص کا قتل ہوا ہم نے سن لیا کچھ دیر کے لئے ممکن ہے ذہن کچھ سوچنے پر مجبور ہوجائے لیکن اگر ہمارے سامنے قتل ہو ہمارا ذہن اس بھیانک نقشے کو شاید برسوں تک نہ بھول سکے۔یہی چیز اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔عادی چور کے ہاتھ کاٹ دو تا کہ وہ چوری کرنے کے بعد محض جیل کی دیوار کے پیچھے ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ ہوجائے بلکہ وہ ہمارے سامنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے گھومتا رہے اور ہم اس کو دیکھتے رہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے یہ بھیانک منظر ایک زندہ مثال بنا رہے۔ پھر دیکھئے کہ ہم میں سے کتنے انسان جو چوری کا ارادہ رکھتے ہیں اپنے اس ارادے کو عملی صورت پہنانے کی سعی کرتے ہیں۔زانی کو عوام الناس کے سامنے سنگسار کیا جائے پھر دیکھئے ہم میں سے کتنے اپنی محبوباؤں سے خلوت کدے میں ملنے اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے رنگ رلیاں منانے کی ہمت رکھتے ہیں۔پھر دیکھئے عورتیں اپنی عصمت وآبرو کو آسانی سے لٹادینے پر کس طرح آمادہ ہوتی ہیں۔ایک شرابی کو برسر بازار رسوا کیجئے پھر دیکھئے کہ عادی شرابی جائے کی پیالی پر اکتفا کرتے ہیں یا نہیں۔

بجائے اس کے کہ ہم ان مجرموں کو قابل رحم سمجھ کر دماغی ہسپتالوں کی زینت بنائیں اگر ان کو کھلے عام عبرتناک (اور بقول نام نہاد تہذیب یافتگان کے انسانیت سوز) سزائیں دیں تو پھر دیکھئے آئندہ آنے والی نسلیں اپنے دماغی توازن کو صحیح رکھتی ہیں یا نہیں۔کوئی شخص صحیح الدماغی میں جرم نہیں کرتا جرم کرتے وقت اس کا دماغ بیمار ہوجاتا ہے۔اگر ہم ان مجرموں کو دماغی مریض سمجھ کر چھوڑ دیں تو یہ کتنا احمق پن ہوگا۔اگر چند نوجوانوں کے کٹے ہوئے ہاتھ چند انسانوں کی سنگساری کی ہوئی لاشیں اور چند آدم زادوں کے کٹے ہوئے سر ہماری تمام قوم کو عبرتناک سبق دے کر آئندہ کے لئے جرائم سے باز رکھ سکیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا؟

ملک میں بلیک مارکیٹ،اسمگلنگ کرنے والے اور دیگر جرائم کا ارتکاب کرنے والے کئی افراد لاکھوں انسانوں کے لئے باعث مصیبت نہیں؟ اگر ان میں سے دو ایک کو برسر بازار اسی قسم کی عبرت ناک سزا دی جائے تو قوم کے لاکھوں افراد ان کی نازل کردہ مصیبتوں سے محفوظ ہوجائیں گے۔کیا اسلام نے انسان کی فطرت کو اچھی طرح نہیں پہچانا کیا ماہرین نفسیات بیماری کے علاج کے علاوہ اس کی پیش بندی کا اس سے بہتر طریقہ بتا سکتے ہیں؟

اسلام کی عظمت اور فطرت انسانی کو سمجھنے کا سب سے بڑا ثبوت قتل اور قتل کی سزا سے ظاہر ہوتا ہے آج تک کسی بھی قانون نے قاتل کو یہ مراعات نہیں دیں کہ قاتل مقتول کے لواحقین کے رحم وکرم پر ہو۔آج کل تقریباً ہر ملک میں قاتل کو ریاست کا مجرم تصور کرلیا جاتا ہے اور ریاست اس کے خلاف مقدمہ دائر کرتی ہے اگر مقتول کے لواحقین اس کو معاف کرنا بھی چاہیں تو وہ معاف نہیں کرسکتے۔کیا اسلام نے اس قسم کا قانون بنا کر بدعقلی کا ثبوت دیا ہے؟ اس کے لئے بھی آپ کو فطرت انسانی اور اجتماعی قوم کے مفاد کو دیکھنا ہوگا۔ ہر جرم کسی نہ کسی صورت میں اجتماعی طور پر قوم کے لئے باعث نقصان ہوتا ہے۔اسی طرح قتل بھی ایک اجتماعی نقصان ہے۔اس خاندان کا کہ جس کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہے اس کے آگے اس کا نقصان نہیں بڑھتا لیکن قاتل کو اگر پھانسی پر لٹکا دیا جائے تو پھر نہ صرف مقتول کے خاندان کا نقصان ہوا بلکہ قاتل کے خاندان کو بھی نقصان پہنچا۔ایک آدمی جس کے گھر میں بیوی، بچے اور بوڑھے والدین ہیں وہ شخص خود کماتا ہے اور دوسروں کو روزی پیدا کرکے پالتا ہے جب وہ کسی کا قتل کرتا ہے تو اس صورت میں صرف اسی کو سزایاب ہونا چاہیے لیکن برعکس اس کے پھانسی لگ جانے سے اس کے خاندان کے افراد ہی بھوکوں مرتے ہیں۔

چنانچہ جب اسٹیٹ کسی قاتل کو سزائے موت دیتی ہے تو یہ نہیں سوچتی کہ اس کے خاندان کے افراد کا کیا قصور جو اس کی موت کے بعد فاقے مریں گے اس لئے اسلام اس دوہرے نقصان سے بچنے کے لئے قاتل کی جان بخشی مقتول کے لواحقین کے سپرد کردی ہے کیونکہ بدلہ لینا انسانی فطرت کا سب سے بڑا تقاضہ ہے اس لئے اسلام نے مقتول کے لواحقین کی اس جبلی خواہش کا پاس رکھا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو بدلہ لے کر اس کو پھانسی پر لٹکوا سکتے ہیں لیکن اگر وہ اپنی اس جبلی خواہش پر قابو پا کر اس کو بخش دیں اس طرح اس قاتل کے خاندان پر ایک احسان عظیم ہوگا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے کبھی بھی بربریت کو اچھا نہیں سمجھا۔ وہ ظلم وہیں برداشت کرتا ہے جہاں اس سے کنارہ کشی کرنا باعث نقصان ہو ورنہ نہیں۔ان حالات میں کیا موجودہ قانون کو آپ انسانیت سوز کہیں گے یا اسلامی قانون کو؟ اس کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں۔

☆☆☆

لڑکیوں کی خودکشی کا واحد سبب - جہیز

جہیز - ایک لعنت: مذہب اسلام ایک ایسا عالمگیر مذہب ہے جو ابدی اور لافانی ہے۔ تمام ادیان و مذاہب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اس کے احکام مثبت اور مدلل ہے۔ اس کے حق کی حقانیت نے انسان کے دلوں کو کفر و شرک کی گندگی سے منزہ کر کے ان کی قلب و جگر میں ایمان کی قندیلیں روشن کر دی اور زندگی کے تمام شعبہ کو آئین و قوانین کے مطابق گزارنے کے لیے قرآن جیسی مقدس کتاب کو نازل فرمایا۔ اس نے تمام طرح کی تقریبات کو نہایت ہی سادہ طریقے سے کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر افسوس کہ ہم نے اسلامی احکام کو پس پشت ڈال کر اس کے صاف وشفاف چہرے کو داغدار کر دیا۔ ہر طرح کے جشن و تقریبات میں ہندوانہ رسم و رواج کو بحال کر لیا۔ نکاح اور شادی بیاہ کے اندر طرح طرح کے مشرکانہ اور کافرانہ عمل کو ہم نے بخوشی اپنا لیا ہے۔ ان میں سے ایک رسم جہیز ہے۔ یہ جہیز ہمارے معاشرے کے اندر اس طرح پھیلتا جا رہا ہے گویا نکاح کا جزء لاینفک بن گیا ہے۔ لفظ جہیز دراصل عربی زبان جہاز سے امالہ ہے۔ جس کا معنی ایسے سرو سامان سے ہوتا ہے جس کی مسافر کو دوران سفر یا دلہن کو نئے گھر بسانے کے لیے یا میت کو قبر پہونچانے کے لیے ضرورت پڑتی ہے لیکن آج یہ لفظ لڑکی کے نکاح میں جو سرو سامان اس کے ہمراہ دیئے جاتے ہیں اس کے لیے بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

عورت اللہ تعالیٰ کا حسین ترین تخلیقی شاہکار ہے۔ وہ انسان کے لیے قدرت کا سب سے زیادہ قیمتی عطیہ ہے۔ جو انس و محبت اور غمخواری کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ دن بھر کی جدوجہد کے بعد ایک تھکا ہوا شخص جب شام کو گھر لوٹتا ہے تو ایک وفا شعار اور خوش مزاج بیوی کی مسکراہٹوں کا استقبال اس کی ساری تھکاوٹ اور غموں کو دور کر دیتا ہے۔ وہ طبیعت میں فرحت اور نشاط محسوس کرتا ہے۔ بیوی اسے ایک روحانی سکون اور تازگی بخشتی ہے اور اللہ رب العالمین نے عورتوں کی پیدائش بھی اسی لیے کیا تھا تاکہ مرد اس سے اپنی اطمینان حاصل کرے۔ جیسا کہ اللہ رب العالمین نے اپنے کلام پاک کے اندر ارشاد فرمایا ہے۔ ”ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ إن فی ذلک لآیٰت لقوم یتفکرون“ (سورہ روم، رکوع: ۶)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی، بے شک ان میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے۔

آج لوگوں نے عورتوں کو جنس تجارت تصور کر لیا ہے اور لڑکی کے والدین کے سامنے دست دراز ہوتے ہیں کہ میں بھکاری ہوں مجھے بھیک دو تب میں تمہاری لڑکی کو قبول کروں گا۔ میں فقیر ہوں میری ہاتھ خالی ہے مجھے گھڑی دے دو۔ میں ننگا ہوں کپڑا بنوانے کی سکت نہیں جوڑا دیدو۔ میں کنگال ہوں تنگ حال ہوں شوق شہزادگی کا ہے مجھے اسکوٹر دیدو۔ ماروتی دیدو۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن دیدو۔ دوسرے کی کمائی پہ شان دکھاؤں گا۔ فرنیچر دیدو، چائے سٹ دیدو، پان دان دیدو، فقیری میں امیری کا روپ دھاروں گا۔

اپنے دوست و احباب کو دکھاتے ہوئے ذرا بھی نہ شرماوں گا کہ میری بیوی کا لایا ہوا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ کتنی گری ہوئی اور بری باتیں ہیں جبکہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مئونۃ“ (بخاری شریف، کتاب النکاح)

یہ وہی جہیز ہے جس نے مائی حوا کی کتنی بیٹیوں کی عفت و عصمت لوٹ لی، جس کی وجہ سے کتنی باغیرت بہنیں اپنے آپ کو نذر آتش کر چکیں۔ کتنے اپنے جسم کو نیلام کر چکیں۔ کتنوں نے اپنے آپ کو پھانسی کے حوالے کر دیا۔ کتنی مائیں اس سوگ میں زہر کا پیالہ نوش کر لیں۔ کتنے والدین ٹرین کے پٹریوں اور گاڑیوں کے چکے تلے سوجانا گوارا کر لیا۔ اور کتنے ماں باپ ایسے ہیں جو اپنی بچیوں کے غم و فکر میں ٹی بی کے مریض بن کر کرب و بے چینی کے عالم میں گھٹ گھٹ کر مر گئے اور مرے جا رہے ہیں۔

جسکی بیٹی جوان ہوتی ہے کسی مصیبت میں جان ہوتی ہے
بوڑھے ماں باپ کے کلیجے پر ایک بھاری چٹان ہوتی ہے

موجودہ سماج میں جہیز کی رسم کو فروغ دینے میں ملت کا وہ طبقہ پیش پیش ہے جسے جو لوگ اپنے آپ کو خوش حال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ کہتے ہیں وہی لوگ اپنے لڑکے پر ہونے والے اخراجات لڑکی والوں سے وصول کرتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں آرام و آسائش کے سامانوں کی فہرست بھی دیتے ہیں اور خواہش پوری نہ ہونے پر دلہن کو جی بھر کے ستاتے ہیں یا موت کی ابدی نیند سلاتے ہیں۔ کتنی پرنم آنکھیں اپنی ہاتھوں کو پیلا کرنے کے لیے وہ گھڑیاں گن رہی ہوتی ہیں جن کا انتظار ہر نوجوان لڑکیوں کو ہوتا ہے۔ اور ان کے ماں باپ کی تمنا ہوتی ہے کہ میری بیٹی کا ہاتھ پیلا کب ہوگا۔ رنگین ٹی وی، ویڈیو، اسکوٹر ہزاروں لاکھوں روپے نقد دینے کے بعد بھی والدین کی زندگی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اپنی پوری جائداد خرچ کرنے کے بعد بھی لڑکی کے ماں باپ کو چین وسکون میسر نہیں۔

آخر کیوں؟ جہیز کی لعنت پورے معاشرے کے اندر کینسر کا شکل اختیار کر لیا ہے۔ حالات نے ایسا رخ اختیار کر لیا ہے کہ جہیز کے مطالبوں سے تنگ آکر غریب ماں باپ کی قابل بیٹیاں مستقبل سے مایوس ہو کر زہر کا پیالہ نوش کر کے خودکشی کر لیتی ہیں۔ یا پھانسی کا پھندا ڈال کر یا اپنے اوپر کراسن تیل چھڑک کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔ آج ان کی آہ و بکا کو سننے والا کوئی نہیں۔ آج ان کی فریادوں کو سننے والا کوئی نہیں ان کی فریادوں کو ہم یونہی ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں اتنی برائی کیوں ہے؟ ہم اپنی ماضی کی یادوں کو بھلا

بیٹھے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جو برائیاں تھیں اس سے کئی گنا زیادہ آج کے دور میں پائی جاتی ہیں۔ آپ کو تعجب ہوگا کانپور کے اندر ایک گھر میں تین سگی بہنوں نے اپنے آپ کو پھانسی کے پھندے میں ڈال کر کے ہلاک کرلیا اور آج کے مسلم معاشرے کے منہ پر طمانچہ مارا۔

بے شرم جوانوں کی مانگ نہ ہوتی
بے آبرو زنہار کوئی مانگ نہ ہوتی

دوستو! ان کی غلطی کیا تھی صرف یہ کہ والدین غریب و نادار تھے، منہ مانگا جہیز دے کر ان کی شادی نہیں کر سکتے تھے، ایسے ہزاروں واقعات رونما ہوئے ہیں۔ وزیر خزانہ پی چندر پاسوان نے اپنے ایک بیان میں بتایا کہ جہیز کی جھگڑوں کی وجہ سے ۱۹۸۶ء میں نوسو ننانوے عورتوں نے اپنی جان دے دی، ۱۹۸۷ء میں تیرہ سو انیس عورتوں کی موت واقع ہوئی، ۱۹۸۸ء میں بڑھ کر سترہ سو ستاسی کو پہونچ گئی۔ (ہندوستان ہندی اخبار، ۸/اگست ۱۹۹۳ء صفحہ ۵ پر ملاحظہ کریں)

آج مسلم سماج پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو چودہ سو سال پہلے کی وہ زمانہ جاہلیت ہمیں یاد آتی ہے جب ذلت ورسوائی سے بچنے کے لیے معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اکثر ماں باپ بڑے شوق سے اپنے لخت جگر، نور نظر کو بڑی محنت ومشقت سے پالتے ہیں، انہیں زیور تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں۔ کچھ نہیں تو کم از کم کوئی ہنر ضرور سکھلا دیتے ہیں۔ جب شادی کے لائق ہوجاتی ہے تو اس کے سامنے ایک مصیبت ہوتی ہے وہ جہیز ہے جو کہ قتل سے بھی بدتر ہے۔

یہ رسم آئی کہاں سے؟ یہ رواج آیا کہاں سے؟ بیاہ شادی میں یہ جہیز کا رسم ہندوانہ اور مشرکانہ رسم ورواج ہے جس کا ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائیوں نے بڑے ہی زور وشور سے اس کا استقبال کیا اور اپنی حیات کے لیے جز لاینفک تصور کرلیا۔ جس کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ہندوانہ طور طریقہ ہے جس کو ہندو نے اپنے قدیم قانون کے مطابق بیٹی کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے۔ اس کی تلافی کے لیے ان کے یہاں یہ قبیح رسم چل پڑی ہے کہ شادی کے موقع پر بیٹی کو زیادہ سے زیادہ سروسامان دیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنی بیٹی کو جہیز کے نام پر مال کا ایک حصہ دیتے ہیں۔ اسی کی تقلید ہمارے مسلمان بھائی بھی کر رہے ہیں اور اسلام کے انمول قانون وراثت سے بیٹی کو محروم کر دیتے ہیں۔ سچ ہے

کہتے ہیں سبھی لوگ کہ لعنت جہیز ہے
پھر بھی تلاش کرتے ہیں رشتہ جہیز کا

جن لوگوں نے احکام خداوندی کو کافی نہیں سمجھا، اس کے ساتھ من مانی کو روا رکھا، نور خدا سے اعراض کیا تو قعر مذلت کے عمیق گڈھے میں ڈھکیل دئے گئے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: "ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی" اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا قبر سے اٹھائیں گے۔ (سورہ طہ) نیز رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" اور "النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی" (مشکوۃ شریف بروایت حضرت عائشہ ۱۲۵)

بعض لوگ دلیل کے طور پر یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا۔ اس لیے جہیز دینا کوئی حرج نہیں۔ یہ غلط فہمی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ زینب جن کی نکاح حضرت عاص بن ربیع سے ہوا۔ رقیہ جن کا نکاح حضرت عثمان غنی سے ہوا اور ان کے انتقال کر جانے کے بعد حضرت ام کلثوم حضرت عثمان غنی کے نکاح میں آئیں جس کی وجہ سے حضرت عثمان غنی کو ذوالنورین کا خطاب ملا۔ اور چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ جن کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب سے ہوا ان تینوں بیٹیوں کو حضور نے جہیز کہاں دیا۔ بلکہ نبی کریم بچپن ہی سے حضرت علی کو اپنی کفالت میں لے رکھے تھے اور ہر طرح سے ان کی دیکھ بھال فرمایا کرتے۔ ان کے پاس ایک چادر تھی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیلام کر کے اسی سے ان کو گھر بسانے کے لیے کچھ سامان دیا تھا۔ جس کے متعلق حضرت علی خود فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کو جہیز میں ایک چادر، ایک چمڑا کا مشکیزہ اور ایک تکیہ دیا تھا۔ جس میں اذخر گھاس بھرا تھا۔

حفیظ جالندھری نے اپنی شاعری میں اس کو بیان کیا ہے جو اس طرح ہے۔

جہیز ان کو ملا جو کچھ شہنشاہ دو عالم سے
ملا ہے درس ان کو سادگی کا فخر آدم سے
عقل دنیوی جو حصہ زہراء میں آئی تھی
کھجور کھردری سے بان ایک چارپائی تھی
مشقت عمر بھر کرنا لکھا تھا جو مقدر میں
ملی تھی چکیاں دو تاکہ آٹا پیس لیں گھر میں
گھڑے مٹی کے دو تھے ایک چمڑے کا گدا تھا
نہ ایسا خوشنما نہ بدزیب اور بھدا تھا
بھرے تھے اس میں روئی کی جگہ پتے کھجوروں کے
یہ وہ سامان تھا جن پہ جان ودل قربان حوروں کے

جہیز دینا سنت رسول نہیں۔ اگر سنت رسول ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دوسری صاحبزادی کو اس سے محروم نہیں کرتے۔ اور اس طرح کی بات بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں بھی نہیں ملتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہیز دینا سنت رسول نہیں۔

یہ عورت وہی ہے جس نے تمہارے بچے کو حمل ورضاعت کا بار گراں اٹھایا۔ یہ وہی ہے جو تمہارے لیے لباس اور سکون قلب کا ذریعہ ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تم کو زنا جیسی عظیم جرم سے بچالیا ورنہ نہ جانے تم کہاں ہوتے اور تمہارا کیا حشر ہوتا۔ ارے پڑھو اور بگوش دل پڑھو رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو کہ جو شخص کسی دو لڑکیوں کی پرورش وپرداخت اس کے جوان ہونے تک کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ایسے رہے گا آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملادیں۔ (مشکوۃ شریف بروایت انس) اور اللہ تعالی نے معذور لوگوں کو بھی حکم دیا ہے

"ولیستعفف الذین لایجدون نکاحا حتی یغنیهم الله من فضله" (سورہ نور) اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کی طاقت نہیں ان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ اگر چاہے تو ان کو غنی کردے۔

لیکن آج ہمارے معاشرے میں قصبہ، محلات میں لڑکی باعث مشقت بن بیٹھی ہے، والدین کے لیے جان وبال بن چکی ہے۔ آخر کیوں؟ یہ سب جہیز کا نتیجہ ہے۔

ملت کے نوجوانوں سے ہے میری یہ اپیل
بن جاؤ اپنی شادی میں خود دار خود کفیل
آؤ مٹائیں مل کے یہ لعنت جہیز کی
انسان بک رہا ہے بدولت جہیز کی

نوجوانو! اٹھو اور یہ دنیا سے کہہ دو، خصوصا اپنے لالچی والدین سے بھی پکار پکار کر کہہ دو کہ میں اسلام کا شیدائی ہوں، دین قیم کا داعی ہوں، قوم وملت کا راعی ہوں، میں نے شادی تیرے لخت جگر نور نظر سے کی ہے نہ کہ تیرے مہلک مرض جہیز سے اگر اس طرح کی باتیں اپنالیں تو ان شاء اللہ ہمارے معاشرے میں اس مہلک مرض کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اللہ ایسی سمجھ کی توفیق دے۔ آمین

(صفی اللہ انصاری، کانہرپٹی، مدھوبنی)

جہیز- جبر واستحصال کی مکروہ شکل:

جہیز سماج اور پوری انسانیت کے لیے ایک بدنما داغ ہے۔ یہ ایک مہلک بیماری ہے، جس کی جڑیں معاشرہ میں گہرائیوں تک پیوست ہیں۔ آج پورا معاشرہ اس کی شکنجوں میں جکڑا ہوا سسک رہا ہے۔ ہر فرد متاثر ہے، ہر خاندان اس کی ہلاکت کا عملی تجربہ گاہ بنا ہوا ہے بایں ہمہ اس کی سنگینی کا احساس عام نہیں۔

جہیز انسانی حرص اور خود غرضی کی پیداوار ہے۔ یہ ایک جبر ہے جو پورے معاشرہ پر مسلط ہے۔ جب تک یہ جبر نہیں ٹوٹتا، شادی میں آسانی پیدا نہیں ہوسکتی۔ لیکن عصر حاضر کے ماحول میں شادی کو سہل بنانے کی بات کرنے والا خود کو بھیڑ میں اکیلا پاتا ہے۔ ہماری دینی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ ہمیں حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ تعلیمات کا بھی پاس نہیں۔ اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے شادی کو آسان اور زنا کو سخت بنانے کی تاکید کی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس تعلیم پر عامل ہوئے تو ان کی زندگی خوشگوار رہی لیکن جب ہم اس تعلیم سے روگرداں ہوئے تو پریشانیوں نے ہمیں آدبوچا۔

علمائے دین کا ایک طبقہ اور چند تعلیم یافتہ حضرات جہیز کی موجودہ صورت جو جہیز فاطمی کی مثال دے کر جائز ٹھہرانے کی سعی کرتے ہیں، وہ عوام کو یہ تو بتاتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شادی کے وقت جہیز دیا لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ یہ جہیز کیا تھا؟ اس کی نوعیت کیا تھی؟ اس کے اسباب کیا تھے؟ اور یہ جہیز کس کی جمع کی گئی رقم سے خریدا گیا تھا؟ جلسوں میں، جمعہ کے خطبوں میں اور شادی تقاریب میں انہیں یہ بتلانا چاہئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر حضرت فاطمہ کے والد محترم تھے تو حضرت علی کے بڑے بھائی ولی اور سرپرست بھی تھے، شادی کے بعد انہیں اپنا گھر بسانا تھا، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان ضرورت خرید کر دیا۔ اگر ان امور پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے تو جہیز کا جواز یا عدم جواز خود روشن ہوجائے گا۔

بے حسی نے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ہم کنواری لڑکیوں کی آنکھوں سے جھانکنے والے کرب کو دیکھتے ہیں، نہ ان کی حسرتناکیوں کو محسوس کرتے ہیں۔ جوان لڑکیوں کے چہروں سے شباب کی لوگھٹتی جارہی ہے، مزاج میں تلخی بڑھتی جارہی ہے، مثبت نظریات پر سے اعتماد اٹھتا جارہا ہے، اعلیٰ قدروں کی باتیں انہیں کھوکھلی اور وعظ ونصیحت بے معنی لگتی ہیں۔ وہ سماجی رویہ کی شاکی بنتی ہیں۔ ان کا پورا وجود سراپا احتجاج بنتا ہے مگر ہمارے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ ایک لڑکی کے کیا ارمان ہوتے ہیں؟ وہ کیسے کیسے خوابوں کی پرورش کرتی ہے؟ گھر بسانے کا ارمان، شوہر کی خدمت اور جاں نثاری کی آرزو، شوہر کے والدین کو آرام وراحت پہنچانے کی تمنا اور ایک خوشگوار مستقبل کا خواب، اس کے لیے وہ حتی الوسع اپنے والدین کے گھر سے تربیت بھی لیتے ہیں، کھانا پکانا، صفائی ستھرائی، سینا پرونا، کڑھائی بنائی، ادب وتہذیب کا سبق سیکھتی ہیں، لیکن اس کے خواب چکنا چور ہوجاتے ہیں۔ وہ جب دیکھتی ہے کہ سماج کے حریص نگاہ اس کی خوبیوں، اس کے حسن سیرت اور اس کے حسن اخلاق پر نہیں بلکہ سامان جہیز پر ہے، تو وہ اندر سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حسرت ومایوسی، محرومی، ذہنی اذیت اسے گھٹ گھٹ کر جینے پر مجبور کرتی ہے یا پھر خودکشی پر۔ یہیں سے بے راہ روی کے راستے بھی کھلتے ہیں، نفسانی تقاضوں کے ہاتھوں مجبور ہوکر وہ غلط قدم اٹھاتی ہے، جس سے معاشرہ میں فحاشی وبے حیائی پروان چڑھتی ہے۔

حرص وآرزو کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسی پیاس ہے جو کبھی نہیں بجھتی۔ جہیز پانے والے جہیز کا سامان لے کر مطمئن نہیں ہوجاتے۔ وہ ہل من مزید کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو دلہن کو ذہنی وجسمانی اذیت پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ آئے دن دلہنوں کو نذر آتش کئے جانے کے واقعات اور ملک کی عدالتوں میں جہیز کے لاتعداد مقدمات، لوگوں کی اس حریصانہ ذہنیت کے نتائج ہیں۔

ایام جاہلیت میں عرب بچیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔ آج ہماری تہذیب کافی ترقی کرچکی ہے۔ اب ہم لڑکیوں کو اتنا موقع بھی نہیں دیتے کہ وہ دنیا میں قدم رکھیں۔ دوران حمل ہی ان کا نام ونشان مٹادیتے ہیں۔ ان گھناونے فعل کا ارتکاب ہم اس لئے کرتے ہیں کہ جہیز کا خوف ہمارے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔

ہندوستان میں مردم شماری کے اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں عورتوں کی تعداد مردوں کی بہ نسبت کم ہے۔ پھر یہ تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے اگر جہیز کے ڈر سے لڑکیوں کے قتل کا سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو وہ دن دور نہیں کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے ایک چوتھائی رہ جائے گی۔ تب نفسانی وشہوانی خواہشات کی تکمیل کے لیے مرد عورتوں پر وحشیانہ حملے کریں گے یا پھر ہم جنسی کا شکار ہوکر قوم لوط سے مسابقت کریں گے۔ اب تو ہم جنسی کے قانونی جواز کے حق میں اخباروں میں مقالے بھی شائع ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا تھا: وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" آج وہی وجود زن جہیز کی وجہ سے خطرے کی زد میں ہے۔ کیا ہم ایسی دنیا کا تصور کرسکتے ہیں جو عورتوں سے خالی ہو! ہرگز نہیں۔ کائنات اس لیے حسین ہے کہ اس میں عورتوں کا وجود ہے، وہ نسل انسانی کی بقا کا

ضامن ہے۔آج اسی عورت کو جہیز کی لالچ میں روند کر ہم فطرت کے قانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی کررہے ہیں۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قانون فطرت سے کھلواڑ کا نتیجہ تباہی اور صرف تباہی ہوتی ہے۔

جہیز کے نتیجے میں پیدا ہونے والے یہ خدشات بے بنیاد نہیں۔اس کے برے نتائج کا تجربہ بھی آئے دن ہوتا رہتا ہے۔یہ جہیز کا ہی اثر ہے کہ ہندوستان کا صدیوں پرانا خاندانی نظام پارہ پارہ ہورہا ہے۔ وہ بہو جو جہیز سے لدی پھندی آتی ہے، اپنا الگ گھر بسانا چاہتی ہے۔ خاندان کے افراد اسے روک نہیں سکتے کیوں کہ جہیز کا مطالبہ کرکے وہ پہلے ہی اخلاقی استحقاق کھو چکے ہیں دراصل انہوں نے جہیز نہیں مانگا تھا انسانی بازار میں اپنے عزیز بیٹے کا مول بھاؤ کیا تھا، اور جو چیز بیچ دی جائے اس پر کوئی اختیار نہیں رہ جاتا۔اب اگر وہی بیٹا خاندان سے الگ ہوکر اپنا آشیانہ بناتا ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں، قصور لالچی والدین کا ہے۔

انسان اپنے جال میں خود پھنس جاتا ہے۔ جہیز کی رسم عارضی فائدہ کے لیے شروع ہوئی لیکن وہ ایک مستقل سردرد بن گئی۔اس کے دوررس اثرات اور زہرناک نتائج کا اس وقت گمان بھی نہ ہوگا۔آج اس کے اثرات کے زد میں نہ صرف فرد، بلکہ پورا سماج اور ساری انسانیت ہے۔ زندگی کی حرمت بھی پامال ہورہی ہے۔سوال اٹھتا ہے کہ اس مہلک مرض کے ابلیسی رقص کو خاموش رہ کر دیکھا جائے یا اس کے تدارک کی تدابیر کی جائے۔ یہ تدابیر کون کرے؟ پہل کس کی جانب سے ہو؟ کہاں سے شروع ہو؟ ناچیز کی یہ رائے کہ جہیز جیسی عفریت سے نبرآزما ہونے کے لیے ہر چہار جانب سے کوشش ہونی چاہیے۔فرد ہو یا سماج، دانشور طبقہ ہو یا سرکار، سب کو اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ذیل میں چند امور پیش کئے جاتے ہیں:

۱-سرکاری سطح پر جہیز مخالف قانون بنایا جائے اور اس پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے، ہمارے ملک میں جہیز مخالف قوانین تو ہیں لیکن ان پر مؤثر طور پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔

۲-جہیز کے خلاف رائے عامہ ہموار کی جانی چاہئے۔

۳-دانشور طبقہ اور علمائے کرام جہیز کے خلاف اصلاحی مہم چلائیں۔اپنی تقاریر میں اس کے مہلک اثرات کے بارے میں کھل کر اظہار خیال کریں۔

۴-ایسی شادیوں اور تقاریب کا بائیکاٹ کیا جائے جس میں جہیز کا لین دین ہو اور اسراف بیجا ہوتا ہو۔

۵-اسکولوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں کے طلباء کی ذہن سازی کے لیے اساتذہ کوشش کریں نیز نصاب میں جہیز مخالف موضوع شامل کیا جائے۔

۶-لڑکیوں کو تعلیم سے آراستہ کیا جائے اور ان کے Empowerment کی سعی کی جائے۔وہ جہیز کے خلاف اٹھیں اور ایسی شادیوں سے صاف انکار کریں جس میں جہیز کا مطالبہ کیا گیا ہو۔چند ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں جن میں لڑکیوں نے ان لڑکوں سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے جنھوں نے جہیز کا مطالبہ کیا تھا۔

۷-اخبار اور رسالے جہیز مخالف مہم میں اپنا اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔اشتہار، مضامین اور ادبی تحریروں کے ذریعہ سماج کے افراد کی ذہن سازی کی جائے۔

۸-اجتماعی شادیوں کا اہتمام کیا جائے۔جین سماج اور ماڑواڑی سماج نے اس طرح کی تقریبوں کا اہتمام کیا ہے اور اپنے اصلاحی مقاصد میں کامیابی حاصل کی ہے۔

۹-ہر علاقہ کے بااثر اور مقتدر حضرات جن کا سماج پر خاصا اثر ہے اس ضمن میں موثر رول ادا کرسکتے ہیں، وہ اپنے علاقہ میں ہونے والی شادیوں کے نگراں بن کر انہیں آسان بنانے کی کوشش کرسکتے ہیں۔

۱۰-مفتیان کرام شریعت کی روشنی میں ایک واضح فتوی صادر کریں، جس میں جہیز کے شرعی جواز یا عدم جواز، جہیز لینے اور دینے والوں کے بارے میں شرعی احکام اور اسباب جہیز کے استعمال کے متعلق امور صراحت سے بیان کیے جائیں۔اس فتوی کو ہر علاقے میں مشتہر کیا جائے اور لگاتار اس کا پرچار کیا جائے۔

اگر جہیز جیسے سماجی اور اخلاقی مرض پر چوطرفہ حملے ہوں تو گمان غالب ہے کہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاسکتا ہے۔اور سماج میں شادی جیسی خوشگوار تقریب کو اصلا اور واقعتاً موجب انبساط بنایا جاسکتا ہے۔ (محمد اشرف الہدیٰ آروی)

انسداد جہیز کا طریقہ کار: آج ہندوستان کا شریف وغریب اور سادہ معاشرہ دہک رہا ہے، اُس آگ میں جس آگ کو رسم جہیز کی بڑھتی رفتار نے جنم دیا ہے، وہ آگ جس کے شراروں نے طبقۂ تعلیم یافتگان کے خرمنوں سے لے کر طبقۂ عوام وناخواندگان کے کھلیانوں تک ایک حشر برپا کردیا ہے، جس کی چنگاریوں نے بلاتفریق مذہب وملت اور فرقۂ ومسلک کو ہدف ہلاکت وبربادی بنالیا ہے، جس کی لہروں نے نہ قصر میری کی تمیز کی ہے اور نہ کلبۂ افلاس پر رحم کیا ہے، جس کے پھیلاؤ اور انتشار پر نہ یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، لذت سہاگ وشباب سے محروم بیٹیوں اور مطلقہ صنف نازکوں کی آہ وبکا نے قابو پائی ہے اور نہ ہی غریب والدین کے سسکتے تڑپتے خون کے آنسوؤں نے پابندی لگاسکی ہے، وہ آگ جس کے عفریتوں نے ننگا ناچ کا ہنگامہ مچاکر بہتوں کو خودکشی، ستی اور حقِ حیات سے دست بردار ہوجانے کے لیے لباس سہاگ کے ساتھ لباس موت وفنا اور کفن کے ساتھ رخصت ہونے پر مجبور کیا ہے، اور کتنے ہی ناتواں، عمر رسیدہ اور ہڈیوں کے ڈھانچے، بوڑھے والدین کو اپنی قیمتی جائدادیں سستے داموں فروخت کردینے، رہائشی مکانات کو حسرت وافسوس کے ساتھ چھوڑ دینے اور آشرموں، رفاہی لنگر خانوں اور زیر آسماں فٹ پاتھوں کی مظلومانہ زندگی سے سمجھوتہ کر لینے پر مجبور کیا ہے، جس کے شور وشر نے بہت سے علماء کی علمیت، دینداروں کی دینداری، نمازیوں کی جائے نماز اور جناب وقبلہ کے دستار کو بھی روند ڈالا ہے، اور شادی کے پاک رشتوں کی شرافت وسادگی اور اخوت ومحبت کو چوراہوں پر لاکر بے آبرو کیا ہے، اور رشتۂ ازدواج کی پاکیزگی اور اس پر مرتب ہونے والے اجر وثواب کو لین دین کے دلالوں کے ہاتھوں میں تھماکر سبوتاژ کیا ہے، اُس بے لگام آگ نے غریبوں کو لہولہان کرکے مردوں کی آدمیت ومروت اور خودداری کو جوہر غیور کا مذاق اڑایا ہے۔اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جہیز کی رسم نے وہ آگ لگائی ہے جس کے روشن اور چمکتے شعلوں کو برادرانِ اسلام نے مثل آتش پرستاں یزدان جان کر اس سے اپنی لو لگائی ہیں اور برادرانِ وطن نے مانند اگنی دیوی مان کر اس کے سامنے اپنا سر جھکایا ہے، اور اس سے بھی عظیم تر خرابی

یہ ہے کہ آج کی ترقی یافتہ مگر مادیت وخود غرضی کا شکار دنیا کو ایک بار پھر رسم جہیز کی لعنت نے اُس سماج کی طرف لوٹنے کا سگنل دے دیا ہے جس کو تاریخ نے ظلمت وجاہلیت کا دور اور وحشیوں کا سماج کہا ہے۔ جہاں عدل وانصاف اور حقیقت وعمل کی روح بالکل فنا ہوگئی تھی، خوف خدا اور اس کی عبودیت کی جگہ خدا بیزاری اور تمردوسرکشی نے لے لی تھی، کسی بھی شعبہ ہائے زندگی کے لیے قانون نام کی کوئی چیز نہیں تھی، ظلم وبربریت، لوٹ مار، ناحق قتل وخون، ڈاکہ زنی، عصمت فروشی، دوسروں کی بہو بیٹیوں پر ناجائز قبضہ، ایک قبیلہ کے لوگوں کا دوسرے قبیلہ کی آبادیوں پر چڑھ دوڑنا، اور لٹے ہوئے قبیلے کے مردوزن اور بچوں کو غلام بنا کر دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دینا اس سماج کی پہچان بن گئی تھی، اُس سماج میں ایک طرف سیاہ وسفید، شریف ورذیل اور اعلیٰ وادنی کی تقسیم تو دوسری طرف عورتوں کی جنس کو ذلیل وحقیر مخلوق تصور کیا جاتا تھا، کسی کے گھر میں بچی کا پیدا ہونا باعثِ ننگ وعار سمجھا جاتا تھا، ولادتِ دختر کی خبر سنتے ہی باپ کی بے تابی، غضبنا کی، کشمکش اور نہاں خانۂ دل میں لمحہ لمحہ سر اٹھانے والے وحشیانہ عزائم، شیطانی منصوبے اور بخوف ذلت وعار لوگوں سے چھپے پھرنے کی بے چین گھڑیاں بڑی دیدنی ہوجاتی تھیں، دیکھئے قرانِ کریم نے چند لفظوں میں کس طرح ان کا یہ بھرم کھولا ہے؟ ارشاد باری تعالی ہے:﴿ **واذا بشر احدهم بالانثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشر به ايمسكه على هون ام يدسه في التراب ألا ساء مايحكمون**﴾ (نحل:۵۸-۵۹)

یعنی جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو (مارے رنج کے) اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے، اور غم میں ڈوب جاتا ہے، جس بات کی اسے خوشخبری دی گئی ہے وہ ایسی برائی کی بات ہوئی کہ (شرم کے مارے) لوگوں سے چھپتا پھرے، (اور سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت قبول کر کے بیٹی کو لئے رہے یا مٹی کے تلے گاڑ دے، افسوس ان پر کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے تشریحی نوٹ ملاحظہ ہوں:

''وہ (مشرکین عرب) فرشتوں کو تو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے، لیکن خود عورتوں کی جنس کے لیے ان کے تصورات کیا تھے؟ یہ کہ زیادہ سے زیادہ ذلیل وحقیر مخلوق ہے، جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے بڑی غمگینی اور بدنصیبی کی بات سمجھتا، بعض قبائل جنہیں اپنے نسلی شرف کا گھمنڈ تھا، بیٹی کا باپ ہونے میں ایسی ذلت سمجھتے کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ کر مار ڈالتے، جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تو مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا اور سوچنے لگتا کہ ذلت کو گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں دفن کر دے۔

یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدہ کی سخافت دکھلائی ہے کہ جس بات کو خود اپنے لیے ذلت کی بات سمجھتے اسے خدا کے لیے تجویز کرنے میں انہیں باک نہیں، دوسری طرف اس گمراہی کا ابطال کیا ہے کہ عورت کی جنس کی جو مرد ہی کی طرح ایک انسانی جنس ہے ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر دینے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں، چنانچہ آیت (۵۹) میں فرمایا ''**ألا ساء مايحكمون**'' دیکھو! کیا ہی برا فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں کیا۔

مردوں کا عورتوں کے ساتھ معاملہ، ظلم ومعصیت کی ایک مسلسل سرگزشت کا یک سب سے زیادہ وحشیانہ واقعہ دختر کشی کی رسم ہے، اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی تک جاری رہ چکی ہے، لوگ اس پر فخر کرتے تھے کہ ہمارے قبیلے کے افراد بیٹی کے باپ ہونے کا ننگ گوارا نہیں کر سکتے، لیکن اسلام نے نہ صرف یہ رسم مٹادی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جوان تمام وحشیانہ مظالم کا کام کر رہی تھی، اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا، دونوں کو اللہ نے بہ حیثیت انسان ہونے کے ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اور دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھول دی ہے:﴿ **للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن واسئلوا الله من فضله**﴾ (النساء:۳۲) سورۂ تکویر میں جہاں قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچا ہے وہاں پرشش اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی ظلم کو دی ہے:﴿ **واذا المؤدة سئلت بأى ذنب قتلت**﴾ (التکویر:۸-۹)'' (ترجمان القرآن از آزاد جلد دوم: ص ۳۵۵و۳۵۶)

قارئین کرام! جہیز کی ہنگامہ خیزی، لین دین کی بوالہوسی اور مادیت پرستی کی فریفتگی اور حرص وطمع نے صنف نازک کو پھر اسی دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے جہاں اس کا مستقبل تاریک ہوگیا ہے، اس کی پاکدامنی زخمی ہوگئی ہے، اس کے جینے کا حق خطرے میں ہے، جو رنگا رنگی اس کے وجود سے تصویرِ کائنات میں قائم ہے اس پر سوالیہ نشان لگتا جارہا ہے، حیاتِ انسانی کی بقاء میں لازم وملزوم دو پہیوں میں سے ایک کو الگ کیا جارہا ہے، خلاصہ یہ کہ اس رسم غیر اسلامی کو گلے لگانے کی پاداش میں زمانۂ جاہلیت کی وہ تمام خرابیاں جو صنف نازک کی حالتِ زار سے متعلق ہیں وہ سب اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ ہماری سوسائٹی کے حصے بنتی جارہی ہیں۔﴿ **ولقد جاء هم من الأنباء ما فيه مزدجر. حكمة بالغة فما تغن النذر**﴾

یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ ''قومی جمہوری محاذ'' کی متحدہ سرکار نے حیات ومعاش کے بگڑتے توازن کو دیکھتے ہوئے اور سماج کی سادگی، جذبۂ ہمدردی اور اخوت ومحبت انسانی کے پاکیزہ روابط اور اعلیٰ قدروں کو پامال اور جلا کر بھسم کر دینے والی خرابیوں پر قدغن لگاتے ہوئے ''جہیز کو ایک قانونی جرم قرار دیا ہے اور اس رسم کو فروغ دینے والوں اور لین دین کی لعنت میں ملوث ہونے والوں کو قانونی جرم کے زمرۂ مجرمین میں گردانا ہے'' بلاشبہ ہر مکتب فکر کی طرف سے اس کی پذیرائی ہونی چاہئے۔

فی الحقیقت اگر یہ قانون قرطاس وقلم کے بام ودر سے اور قانون کے قصر وایوان کے گوشوں سے نکل کر منظر عام پر نمودار ہوجائے اور نفاذ وعمل کی راہ پر گامزن ہوجائے تو یقیناً ان مزاجوں میں بدلاؤ متوقع ہے، جن مزاجوں نے عموماً کسی زبردست عنصر اور پر ہیبت قوت کے روبرو ہی اپنی جبینوں کو جھکایا ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو حسنِ عمل کی توفیق دے اور تحفظ دین وایمان اور بقاء دینداری کا سامان عنایت فرمائے۔ آمین۔

(نعمت اللہ عمری، جھارکھنڈ)

اسعد اعظمی / جامعہ سلفیہ بنارس

رمضان کے بعض محل نظر اعمال

شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی نظر میں

رمضان کا مبارک مہینہ ڈھیر ساری خیرات وبرکات لے کر آتا ہے۔ یہ مہینہ عبادت وریاضت اور طاعت الٰہی کے لیے خاص طور سے معروف ہے۔ اس ماہ میں اللہ کے بندے نیکیوں کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ نیکیوں کا یہ جذبہ کبھی کبھی انسان کو ایسے اعمال اور کاموں کی طرف لے جاتا ہے جو بظاہر بڑے خوش نما اور اچھے نظر آتے ہیں لیکن شرعی اعتبار سے محل نظر ہوا کرتے ہیں۔ شب قدر جو انتہائی متبرک اور قدر ومنزلت والی رات ہے، اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر بتائی گئی ہے۔ اس لیے اللہ کے بندے اس رات کی خیرات وبرکات کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ شب قدر سے بھرپور استفادے کا جذبہ بھی کچھ نئے قسم کے ایسے کاموں کو انجام دلانے کا سبب بنتا ہے جنھیں شریعت اس مقام پر نہیں رکھتی جس مقام پر بندہ ان کاموں کو رکھ کر انجام دے رہا ہے۔ ادھر چند سالوں سے دیکھا جاتا ہے کہ بعض حضرات شب قدر میں مساجد میں کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرتے ہیں۔ بہت پہلے یہ دیکھا جاتا تھا کہ کچھ نوجوان یا بچے چائے تیار کرتے اور شب قدر کے عبادت گزاروں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ سموسے، کچالو، انڈے اور ہلکے پھلکے ناشتے سے بڑھتے ہوئے معاملہ سیخ، کباب، بریانی اور ٹھنڈے گرم مشروبات تک پہنچ چکا ہے۔ اس کی خاطر بعض لوگ یہ پوری رات انھیں مطعومات ومشروبات کی تیاری میں صرف کر دیتے ہیں۔ مساجد میں اس کی وجہ سے بعض جگہوں پر گندگی بھی پھیلتی ہے۔ فجر کے وقت مساجد کے دروازوں پر استعمال شدہ پلیٹ، پیالی، گلاس، چمچے وغیرہ اس طرح بکھرے دکھائی دیتے ہیں جیسے کسی شادی ہال کے باہر دکھائی دیتے ہیں۔ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ فتاوی کی جلد دوم کے اخیر میں کتاب الصیام میں اس تعلق سے دو سوال وجواب دستیاب ہوگئے جنھیں ہم قارئین کی نذر کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ شیخ صاحب کے فتاوی کا مکمل مجموعہ کافی انتظار کے بعد کچھ مہینوں قبل مشہور ومعروف نشریاتی ادارہ مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن سے پانچ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اس سے قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے شیخ صاحب کے فتاوی کا منتخب مجموعہ دو جلدوں میں شائع ہوا تھا۔

بہر حال یہ پہلا مسئلہ شب قدر میں مسجدوں میں کھانے پینے کے انتظام سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں شیخ صاحب سے دریافت کیے گئے دو سوال اور ان کے جواب ملاحظہ ہوں:

سوال: شب قدر میں بکرا کاٹنا اور کھانا پینا خصوصیت کے ساتھ کیسا ہے؟ مع حوالہ کے تحریر فرمائیں۔ (سائل)

جواب: شب قدر میں چاہے وہ اکیسویں رات ہو یا تیئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں، کھانے پینے کا خصوصی اہتمام کرنا اور چند آدمیوں کے علاوہ جو نماز تراویح میں شامل ہوتے ہیں، باقی تمام لوگوں کا بکرا وغیرہ ذبح کر کے پوری رات کو پکانے کھانے اور کھلانے اور چائے نوشی وگپ بازی میں گزارنا انتہائی غلط اور بیہودہ اور واجب الترک عمل ہے۔ اس بدعت اور طریق کار کو جس طرح بھی ممکن ہو جلد ختم کر دینا چاہیے۔ اور تمام شب ہائے قدر کو تراویح کے علاوہ نوافل اور ذکر الٰہی اور دعا واستغفار اور تلاوت قرآن میں گزارنا چاہیے۔

أملاہ: عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری

۱۴۰۸/۹/۲۷ھ

(فتاوی شیخ الحدیث رحمانی: ۲/۴۷۹، مکتبۃ الفہیم)

سوال: شب قدر کے روز غریبوں کو کھانا تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کرنا چاہیے کہ نہیں؟

سائلہ: زوجہ ابوالحسن۔ پرانی بستی مبارکپور

جواب: شب براءت یا شب قدر میں فقراء ومساکین کو کھانا تقسیم کرنا محض رواجی اور رسمی چیز ہے۔ قرآن، حدیث، عمل صحابہ میں اس کا کہیں نام ونشان اور اتہ پتہ نہیں ہے۔ اس کو دینی اور اخروی کام سمجھ کر کرنا بدعت شرعی میں داخل ہے۔

عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

۹۳/۸/۱۳ھ

(فتاوی شیخ الحدیث رحمانی: ۲/۴۹۵، مکتبۃ الفہیم)

ایک اور مسئلہ عوام وخواص میں مابہ النزاع بنا ہوا ہے۔ وہ ہے شب قدر میں یا

عشرہ اخیرہ کی تمام راتوں میں مسجدوں میں باہتمام جلسے منعقد کرنا اور اس کے لیے مشہور خطباء ومقررین کو دعوت دینا۔ ان جلسوں کے ساتھ کہیں کہیں کھانے پینے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ وعظ ونصیحت کی مختصر اور بلا اہتمام خاص کبھی کبھار حسب ضرورت کی جانے والی تقریروں کے بارے میں کوئی اشکال نہیں۔ بلکہ شب قدر یا طاق راتوں کو باہتمام تقریری پروگرام منعقد کرنا اور عام جلسوں کی طرح اس کے لیے تگ ودو کرنا...یہیں سے سوالیہ نشان لگنا شروع ہوجاتا ہے۔ اس موضوع پر اہل علم کی متعدد تحریریں آچکی ہیں۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے مجموعہ فتاوی میں اس تعلق سے تین چار سوال اور ان کے جواب پر نظر پڑی جنھیں قارئین کے استفادہ کے لیے درج کیا جارہا ہے۔

سوال: لیلۃ القدر میں تبلیغی اجتماع پند ونصیحت کے لیے قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قائم کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ لوگ لیلۃ القدر میں کچھ تقریریں سنتے اور کچھ نمازیں پڑھتے، کچھ قرآن پڑھتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے۔

المستفتی: عبدالنور، مئو آئمہ، الہ آباد

جواب: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے شب ہائے قدر میں وعظ وخطبہ اور تبلیغی اجتماع ہرگز ثابت نہیں ہے۔ البتہ چوں کہ حمد وصلاۃ اور تلاوت قرآن وذکر احادیث اور سامعین کی زبان میں ان کے افہام وتفہیم پر مشتمل سادہ بیان یہ بھی ذکر الٰہی ہے۔ اس لحاظ سے شب قدر میں مختصر طور پر مقامی یا بیرونی عالم کا مختصر سادہ وعظ ہو جائے تو بلا شبہ جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم۔

املاہ: عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری

۹۵/۹/۷ھ

(فتاوی شیخ الحدیث رحمانی: ۲/۵۰۵، مکتبۃ الفہیم)

سوال: رمضان المبارک کی پچھلی طاق راتوں میں مساجد کے اندر علماء وعظ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے: وعظ کہنا بدعت ہے۔ صرف ان راتوں میں دعا، توبہ، نماز، ذکر ہی چاہیے اور وعظ ذکر میں شامل نہیں۔ اس لیے بدعت ہے؟

سائل: حافظ عبداللہ۔ ۵۲ ڈکاسٹر روڈ، پلیاں توپ، مدراس ۱۲

جواب: رمضان کے آخری دہے کی طاق راتوں میں وعظ وتذکیر کو مطلقاً ہر حال میں بدعت کہنا غلط اور غلو وتفریط ہے۔ اس طرح ان طاق راتوں میں رات رات بھی ایک یا کئی واعظین ومقررین کا وعظ وتقریر کرنا اور اس کا اس طرح اہتمام کرنا کہ ذکر واذکار، نوافل اور تلاوت قرآن ودعا کا موقع نہ ملے، یہ طریق کار بھی غلط اور افراط ہے۔ اسی طرح مدراس کے بعض علاقوں میں تمام مرد وزن کا مع بچوں کے مسجد میں ان راتوں میں جمع ہوکر بجائے ذکر واذکار ونوافل ودعاء میں مشغول رہنے کے، ہنسنے ہنسانے یا بیت بازی، شعر خوانی قصہ گوئی اور فضولیات میں گذارنا اور اس کو ''احیاء لیل'' سمجھنا سراسر جہالت ہے اور تمسخر بالشریعت ہے۔

یہ تینوں نظریے اور عمل غلط ہیں۔ ان طاق راتوں بلکہ آخری دہے کی تمام راتوں کے احیاء کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ فرض عشاء کے بعد تراویح باجماعت ادا کی جائے، پھر حسب قوت وتوفیق وتحمل اذکار مسنونہ اور تلاوت قرآن میں وقت گذارا جائے، اور نصف شب کے بعد نفل نماز جس قدر ہوسکے پڑھی جائے اور سحر تک دعا واستغفار میں مشغول رہا جائے۔ اور مسجد میں جمع ہوجانے والے حاضرین اگر وعظ سننے کی خواہش اور شوق ظاہر کریں تو کوئی عالم باعمل دقائق پر مشتمل مختصر وعظ کہہ دیں تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ وعظ وپند جو قرآنی آیات واحادیث اور عبرت انگیز اور سبق آموز واقعات پر مشتمل ہو وہ بھی ذکر کی ایک قسم ہے۔ ان طاق راتوں میں وعظ وخطبہ کہنا اگرچہ آنحضرت ﷺ سے عملاً یا قولاً منقول نہیں ہے۔ لیکن ذکر میں داخل ہونے کے لحاظ سے اور ممانعت ثابت نہ ہونے کے پیش نظر اس کے جواز میں شبہ نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم

عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

۹۴/۱/۲۷ھ

(فتاوی شیخ الحدیث رحمانی: ۲/۵۰۶-۵۰۷، مکتبۃ الفہیم)

سوال: ہم لوگوں کی مسجد اہل حدیث کے اندر آٹھ دس سال قبل رمضان شریف کی متبرک قدر والی پانچوں راتوں میں بعد نماز عشاء بڑی لگن کے ساتھ تلاوت کلام پاک ہوتی تھی، جس میں ان پڑھ حضرات بھی شامل ہوتے تھے اور قرآن پاک کے کلاموں کو سنتے تھے اور عبادت وریاضت دعاء وغیرہ میں مشغول رہا کرتے تھے لیکن چند سالوں سے یہ سلسلہ تقریباً ختم ہوچکا ہے۔ بجائے تلاوت قرآن پاک، عبادت وریاضت اور دعاء وغیرہ کا سلسلہ مائک کی بلند آوازوں پر مدرسہ کا چندہ وصول کرنے کی وجہ سے ختم ہوگیا ہے کیونکہ خصوصیت سے ۲۷/اور ۲۹/کی راتوں میں عوامی چندہ کی تحریک ہوتی ہے، گویا تلاوت کلام پاک، عبادت وریاضت دعاء وغیرہ کے بدلہ زیادہ اہمیت چندہ وصولی کو دی جارہی ہے، جب کہ یہ چندہ دوسرے ایام میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

ایسی صورت میں ایک طرح کا خلجان پیدا ہوگیا ہے۔ قرآن وحدیث سے اس خلجان کو دور فرماکر ہم لوگوں کی صحیح رہنمائی کرکے ممنون ومشکور فرماکر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: محمد یحییٰ انصاری، بھوارہ، ڈاک خانہ وضلع مدھوبنی۔ بہار

جواب: سوالوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادھر کئی سال سے رمضان کی شبہائے قدر میں مسجد میں بعد نماز عشاء بجائے نوافل وذکر واذکار وتلاوت قرآن ودعاء واستغفار کے مسجد میں لگائے ہوئے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مقامی مدرسہ کے لیے

چندہ کی تحریک اوراس کی وصولی کا سلسلہ شرع کر دیا گیا ہے جوتقریباً پوری رات جاری رہتا ہے۔

اگر واقعہ اورصورت حال یہی ہے تو ایسا کرنا صحیح نہیں ہے، ان راتوں کے جو فضائل کتاب وسنت کے اندر بیان فرمائے گئے ہیں اور عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ان مبارک راتوں کو جس طرح گذارا جاتا تھا ان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان راتوں کے انوار وبرکات سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کو سلف کے طریقوں کے مطابق گذارا جائے۔البتہ اگر ان راتوں میں کبھی کبھار معمولی طور پر چندے کی تحریک کردی جائے کہ جس سے نوافل وتلاوت ودعاء وغیرہ میں خلل نہ ہوتو چنداں مضائقہ نہیں۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

أملاہ: عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری

دوشنبہ ۲۹/رمضان ۹۵ھ

(فتاوی شیخ الحدیث رحمانی:۲/۵۰۷-۵۰۸، مکتبۃ الفہیم)

سوال: قدر کی پانچ راتوں میں بکثرت اوراد ووظائف اورنوافل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عارف سراجی، کونڈرا گرانٹ، ضلع بستی۔یوپی

جواب: شبہائے قدر میں اپنے اپنے گھروں میں یا مسجد میں لیکن انفرادی طور پر بلا تداعی واہتمام اجتماع کے اذکار مسنونہ وادعیہ ماثورہ وتلاوت قرآن ونوافل تھوڑا یا زیادہ پڑھنا جائز ومباح ہے۔

عبیداللہ رحمانی مبارکفوری

۱۰/محرم ۹۶ھ

(فتاوی شیخ الحدیث رحمانی:۲/۵۲۱، مکتبۃ الفہیم)

سوال: شب قدر میں نماز عشاء اور تراویح کے بعد قرآن وحدیث کا وعظ کرنا اور ذکر الٰہی کی محفل منعقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عارف سراجی، کونڈرا گرانٹ، ضلع بستی۔یوپی

جواب: کسی شب قدر میں بھی اتفاقی طور پر کوئی مقامی عالم سادہ مختصر وعظ جو قرآنی آیات ومعتبر احادیث کے بیان وتشریح پر مشتمل ہو اور جس کے لیے تداعی واہتمام نہ کیا گیا ہو، کہہ دے تو مضائقہ نہیں۔ کیوں کہ ایسا وعظ ذکر الٰہی میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز ومباح ہے، گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام سے شب قدر میں خطبہ دینا اور وعظ کہنا ثابت ومنقول نہیں ہے لیکن تداعی اور اعلان کے ساتھ لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے مطلق ذکر الٰہی کی یا ایسے وعظ وتقریر کی محفل جمانا کہ جس میں مدارس ومساجد کے سفراء مدعو کیے گئے ہوں یا بن بلائے پہونچ گئے ہوں اور جو تقریر ووعظ میں مسابقت کریں اور زیادہ سے زیادہ چندہ حاصل کرنے کی غرض سے بذریعہ تقریر ووعظ اپنا اپنا رنگ جمانے کی کوشش کریں اور وقت وموقع نہ ملنے پر شکوہ وشکایت اور غیبت کریں ایسی محفل بلاشبہ مکروہ ومذموم ہے کیوں کہ تداعی واہتمام اور باہمی مسابقت ومظاہرہ ونمائش وغیرہ کی وجہ سے ایک جشن کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور خلوص باقی نہیں رہتا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم

عبیداللہ رحمانی مبارکفوری

۱۰/محرم ۹۶ھ

(فتاوی شیخ الحدیث رحمانی:۲/۵۲۲، مکتبۃ الفہیم)

حضرۃ الشیخ کی مذکورہ بالا تحریروں میں جن شرائط اور حدود وقیود کا تذکرہ ہے اگر ان کی رعایت کرتے ہوئے یہ کام انجام پائے تو اس کے سلسلے میں کسی سوال وجواب کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ جیسے تداعی اور اہتمام واعلان سے اجتناب، کبھی کبھار کرنا، مختصر کرنا..وغیرہ۔ لیکن سوالیہ نشان وہاں قائم ہوتا ہے جہاں یہ سارے لوازمات بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ محل نظر چیزیں اکٹھا ہوجاتی ہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔۳/رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ

☆☆☆

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں

چند گزارشات

- مضمون فل اسکیپ صفحہ کی ایک جانب تحریر فرمائیں۔
- فوٹو کاپی کے بجائے اصل تحریر ارسال فرمائیں۔
- مضمون بھیجنے کے بعد باری کا انتظار فرمائیں اور امید رکھیں کہ آپ کا مضمون شائع کیا جائے گا۔
- مضمون لکھتے وقت آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور دیگر مراجع ومصادر کا مکمل حوالہ درج کریں۔
- قابلِ اشاعت نہ ہونے کی صورت میں مضمون واپس کرنے کے لیے خط ارسال نہ کریں۔
- مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی صفحہ پر لکھیں، خوشخط، صاف اور واضح ہو۔ موسمی مضامین وقت سے پہلے ہی دفتر کو ارسال کریں تاکہ بروقت شائع کیا جاسکے۔

دفتر جریدہ ترجمان

۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶۔ فون: 23273407

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے لیے

عیدانہ فنڈ

جمع کرنا ہرگز نہ بھولیں

عید کی پرمسرت گھڑیوں میں ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند'' کو فراموش نہ کریں۔آپ عید کے مبارک موقعہ پر جس طرح اپنے بچوں کو عیدی دے کر ان کی خوشیوں میں اضافہ کرتے ہیں اسی طرح مرکزی جمعیت کو عیدانہ فنڈ دینا نہ بھولیں۔

تمام ریاستی، ضلعی، مقامی جمعیت اہل حدیث کے امراء ونظماء، ائمہ مساجد وخطباء اور ذمہ داران مدارس ومکاتب سے پُرخلوص اپیل ہے کہ مساجد اور عیدگاہوں میں جمعیت کے لیے ضرور اپیل کریں اور جو رقم مرکزی جمعیت کے لیے حاصل ہو اس کو بذریعہ چیک یا ڈرافٹ جمعیت کو ارسال کریں تاکہ آپ کا یہ عیدانہ فنڈ جمعیت وجماعت کے مفید ترین منصوبوں کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرسکے۔

چیک/ڈرافٹ اس نام سے بنائیں:

"Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind"

A/c 629201058685 (ICICI Bank) Chandni Chowk, Delhi-6

(RTGS/NEFT/IFSC CODE ICIC0006292)

ارسال زر کا پتہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-٦

فون: 011-23273407 فیکس: 011-23246613

طب و صحت

ڈاکٹر ایم این بیگ
پوسٹ بکس ۱۸، ٹونک-304001
فون:01432-244018
موبائل:09460805389

کینسر اور دیسی علاج، بواسیر کا بھروسہ مند علاج، مفید صحت ترکاریاں

کینسر: وجوہات مختلف سہی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرطان یعنی Cancer طوفان بن کر پھیلتا جارہا ہے، اور برسہا برس کی تحقیقات مستقل کے باوجود اس پر قابو نہیں پایا جاسکا ہے۔

کینسر دل کے علاوہ، جسم کے ہر حصے میں ہوسکتا ہے، پہلے تو اس کا علاج محض آپریشن تھا، جو عارضی ثابت ہوتا تھا، لیکن اب تو برقی شعاعوں سے سینکائی بھی کی جاتی ہے، ادویاتی (کیموتھیراپی) علاج بھی کیا جاتا ہے، بلڈ کینسر (لیوکیمیا) کے علاج میں تو اب ہڈی کے گودے Bone Marrow کی تقلیم کو اولیت حاصل ہے، پھر بھی مجموعی طور پر تمام تدابیر، عملیات جراحی، ادویات کے باوجود یہ مرض کافی حد تک لاعلاج سا ہے، دیسی طب میں اس کو سوداوی مرض سمجھا جاتا ہے (واضح رہے کہ طبِ یونانی یعنی حکمت کی بنیاد، اخلاط اربعہ — خون، صفراء، سواد، بلغم — پر ہے) سرطان اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ کیکڑے کی طرح اپنی جڑیں پیوست کرلیتا ہے۔

طب میں اس کا علاج منضجات، مسہلات اور تبریدات کے بعد مناسب بدآفات کے ساتھ سم الفار، شنگرف، ہڑتال اور سیماب سے کیا جاتا ہے، ان مرکبات کو حقے میں تمباکو کے بجائے رکھ کر بذریعہ کش، ان کا دھواں کھینچا جاتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ یہ علاج زیادہ قیمتی بھی نہیں، قدیم کتب میں ان ادویہ کی افادیت کی تصدیق کی گئی ہے۔

بواسیر: بواسیر نہایت تکلیف دہ بیماری ہے، یہ خونی بھی ہوتی ہے اور بادی بھی، مسے Piles یا Haemorrhoids جب خون سے پُر ہوجاتے ہیں تو رفع حاجت کے وقت، ذرا سا بھی زور لگانے پر پھٹ جاتے ہیں اور خون دھار کی شکل میں نکلنے لگتا ہے، بیحد تکلیف اور خون کے اکثر و بیشتر اخراج کی وجہ سے مریض بے حد کمزور ہوجاتا ہے۔

یہ مرض ان افراد کو زیادہ لاحق ہوتا ہے جو کافی وقت تک ایک ہی جگہ بیٹھ کر کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں، مستقل طور پر بیٹھک کی وجہ سے رگوں پر دباؤ پڑتا ہے اور وہ پھول کر مسوں کی شکل اختیار کرلیتی ہیں، قبض، جگر کی خرابی بھی اس مرض کے اسباب میں بیحد اہم ہیں۔

عام طور پر اس کا علاج بذریعہ آپریشن کیا جاتا ہے، ''جھولا جھاپ معالج''، روغنِ بادام اور کاربولک ایسڈ باہم آمیز کرکے بذریعہ سیرنج مسوں کی بیرونی پرت کے نیچے، یہ محلول، بہت خفیف مقدار میں داخل کردیتے ہیں، جس سے چندروز میں مسے گل سڑ کر گرجاتے ہیں اور مریض ٹھیک ہوجاتا ہے، لیکن یہ علاج خطرات سے خالی نہیں، محلول اگر مسوں کے اندر پہنچ کر خون میں مل جائے تو مریض کی موت ہوسکتی ہے۔

اس خطرے کے پیش نظر ہم نے عرصۂ دراز کی ریسرچ کے بعد، مسوں کی جڑ میں ربر کا چھلہ چڑھانے کی تکنیک دریافت کی ہے۔

یہ تکنیک کامیاب بھی ہے اور بے ضرر بھی، اس میں خصوصی طور پر تیار کردہ گاؤدم، اسٹیل کی نلکی کے ذریعہ مسے کی جڑ پر، انتہائی تنگ ربر کا چھلہ چڑھا دیا جاتا ہے، مسے میں اس چھلے کی وجہ سے دوران خون بند جاتا ہے اور آخرکار چندروز بعد مسہ سوکھ کر گرجاتا ہے، چھلے کی وجہ سے درد کا احساس ضرور ہوتا ہے لیکن Xylocaic Ointonent 5%، لگاکر درد رفع کردیا جاتا ہے، رفع درد کے لیے Esgipyrine یا کوئی دوسری گولی بھی دی جاتی ہے، یہ طریقہ علاج صدفی صد کامیاب ہے، اینٹی بایوٹک ادویہ بھی دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اب کئی ادویہ ساز ادارے بھی کیپسول بنارہے ہیں جن کا استعمال کرنے سے یہ مرض ٹھیک ہوجاتا ہے۔

مفید صحت ترکاریاں:

☆ **پالک**: اس میں وٹامن 'A' اور فولاد پایا جاتا ہے، ضعف بصارت اور بالوں کے جھڑنے کو روکنے میں مفید ہے، پالک کے پانی سے بال دھوئے جائے اور یہ عمل عرصہ تک جاری رکھا جائے تو بالوں کا جھڑنا بند ہوجاتا ہے۔

☆ **میتھی**: گٹھیا کی بیماری اس کے مستقل استعمال سے دور ہوجاتی ہے، اس میں وٹامن 'A' کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔

☆ **لوکی، تورئی**: اس کا استعمال کرنے سے پیٹ صاف رہتا ہے اور کھانا جلد ہضم ہوتا ہے، اس میں سارے وٹامن پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ بہت فائدہ مند ہیں، لوکی کے چھلکوں سے چہرہ صاف کیا جائے اور پھر کچھ دیر بعد ٹھنڈے پانی سے دھولیا جائے اور اس پر مداومت کی جائے تو چہرے کے داغ، جھائیاں دور ہوجاتے ہیں۔

☆ **ہرا دھنیا اور پودینہ**: ان میں بھی وٹامن 'A' پائی جاتی ہے، عرق پودینہ دست، الٹی کو روکتا ہے، ہاضم طعام ہے، پودینے کو پانی میں جوش دے کر بھاپ لی جائے تو زکام میں فائدہ ہوتا ہے، اگر زکام پرانا ہو تو اس پانی میں لیموں کا رس بھی ملادیں اور بھاپ لیں، فائدہ ہوجائے گا لیکن یہ عمل کئی دنوں تک پابندی کے ساتھ روزانہ کیا جائے۔

☆ **مولی**: ہاضم طعام ہے، اس کے ٹکرے کرلیں اور اس پر لیموں کا رس نچوڑ دیں، اور بطور سلاد کھانے کے ساتھ استعمال کریں، پیٹ بھی صاف رہے گا، بھوک بھی خوب لگے گی اور کھانا بھی جلد ہضم ہوگا۔

☆ **گاجر**: اس میں سب وٹامن پائے جاتے ہیں، اس میں ''بیٹا کیروٹن'' بھی کافی مقدار میں پایا جاتا ہے، یہ دل و دماغ کو طاقت دیتی ہے، اعصاب کو تقویت بخشتی ہے، گاجر کا رس نکال کر روزانہ کمزور بچوں کو دیں، بے حد مفید ثابت ہوگا۔

نوٹ: واضح رہے کہ ساری ہری ترکاریاں مفید ہیں، جگہ کی قلت کے باعث صرف چند ترکاریوں کا ذکر کیا جاسکا ہے۔ ☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کے سابق امیر محمد عبدالرحمٰن فاروقی کا سانحۂ ارتحال عظیم جماعتی خسارہ

دہلی،۲۴رمئی ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اپنے ایک اخباری بیان میں سابق امیر شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد وسابق امیرصوبائی جمعیت اہل حدیث آندھراپردیش عبدالرحمٰن فاروقی کے سانحۂ ارتحال پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے جو گزشتہ رات گیارہ بجے اس دار فانی سے رحلت فرماگئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے اخباری بیان میں کہا کہ ان کی وفات سے جماعت ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگئی ہے۔موصوف ایک مدرس تھےلیکن مطالعہ بہت وسیع تھا جس کی بدولت علماء کے طبقے میں شمار ہونے لگا انہوں نے اپنے علم سے بے شمار لوگوں کو مستفیض فرمایااوردعوت دین کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔آپ ایک انتہائی مخلص، ہمدرد، حق گو اور بے باک انسان تھے۔انگریزی واردو زبان پر عبور رکھتے تھے ،شیریں کلامی ،خلوص ومحبت ، ہمدردی بے لوث دینی خدمات انجام دینے والی عظیم شخصیت کے مالک تھے۔وہ ایک بہترین مقرر ومصنف بھی تھے۔انہوں نے دو دہائی تک مسجد اہلحدیث چوراہا مشیرآباد میں خطبہ جمعہ کی عظیم ذمہ داری ادا کی۔ان کے خطبات سے ہزاروں لوگ مستفید ہوتے رہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اورلغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے۔پسماندگان میں اہلیہ چار بیٹے اور چار بیٹیاں متعدد پوتے پوتیاں اورنواسے نواسیاں ہیں۔

امیرمحترم کے علاوہ دیگرتمام ذمہ داران وکارکنان جمعیت نے ان کے پسماندگان ومتعلقین نیز جملہ سوگواران سے اظہارتعزیت کیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا کی ہے۔نماز جنازہ مسجد محمدی لنگرحوض میں بعدنماز جمعہ ادا کی جائے گی۔

امیرمحترم کے علاوہ ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی، ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز، نائبین امیر ڈاکٹر سید عبدالعزیز، حافظ عبدالقیوم، نائبین ناظم عمومی مولانا ریاض احمد سلفی، مولانا محمد علی مدنی، حافظ محمد یوسف چھمہ ودیگر ذمہ داران وکارکنان جمعیت نے ان کے پسماندگان ومتعلقین نیز جملہ سوگواران سے اظہارتعزیت کیا ہے اوران کے لئے مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا کی ہے۔

☆☆☆

جماعتی خبریں

امیر محترم فضیلة الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظه الله جائزة الأمیر نایف بن عبدالعزیز آل سعود العالمیة للسنة النبویة والدراسات الاسلامیة المعاصرة اور الرئاسة العامة لشؤون المسجد الحرام والمسجد النبوی کے اشتراک سے منعقدہ سیمینار میں شرکت کے لیے سعودی عرب روانہ:

امیرمحترم فضیلۃ الشیخ اصغرعلی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ وایدہ بنصرہ العزیز کے زیراشراف جائزۃ الأمیر نایف بن عبدالعزیز آل سعود العالمیة للسنة النبویة والدراسات الاسلامیة المعاصرة اور الرئاسة العامة لشؤون المسجد الحرام والمسجد النبوی کے اشتراک سے مسجد نبوی مدینہ منورہ میں منعقد ہونے والے سہ سیمینار بعنوان ''الجهود العلمیة فی المسجد النبوی فی العهد السعودی'' میں شرکت کے لیے سعودی عرب روانہ ہوگئے ۔ اس عالمی سیمینار میں مسجد نبوی کے منبر ومحراب سے انجام دیئے گئے گراں قدر دینی وعلمی خدمات جو مملکت سعودی عرب کا عظیم کارنامہ ہے اور جس سے سارے عالم کو فیض پہنچا ہے پر وقیع مقالات پیش کئے جائیں گے۔ اس کے بعدامیرمحترم مکہ مکرمہ میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت فرمائیں گے۔

آل کٹیہار سیرت النبی کمپٹیشن: عصری طلبہ وطالبات کے اندرسیرت نبوی سے آگاہی اوراسلامیات کے مطالعہ سے شوق وجذبہ پیدا کرنے کی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے ضلعی جمعیت اہل حدیث کٹیہار بہار نے ۳/۵/ ۲۰۰۱۹ کو فیصلہ لیا کہ اگلے ۲۳رجون ۲۰۱۹ء کو بمقام حرا انٹرنیشنل اسکول حاجی پور کٹیہار، آل کٹیہار سیرت النبی کمپٹیشن کرایا جائے جس میں صرف اسکول کے آٹھویں، نویں اوردسویں کلاس کے بچے وبچیاں شریک ہوں۔اورتیاری کے لئے مشہور زمانہ مصنف وسیرت نگار علامہ قاضی سید سلیمان منصورپوری کی کتاب ''مہر نبوت'' ہندی ترجمہ (بقلم مولانا مشتاق احمد ندوی نائب ناظم ضلعی جمعیت) متعین کیا گیا ہے تاکہ شرکت کرنے والے بچوں کومسابقہ کی تیاری میں سہولت ہو، واضح رہے کہ سوالات آبجیکٹو ہوں گے اورمدارس وجامعات کے بچے شریک نہ ہوں گے۔

انعامات: اول انعام، دس ہزار-/10000 ، دوم انعام نو ہزار-/9000، سوم انعام، آٹھ ہزار-/8000، چہارم انعام، سات ہزار-/7000، پنجم انعام، چھ ہزار-/6000 پھر دس کامیاب طلبہ کو دودو ہزار اور بقیہ شرکاء کوتشجیعی انعامات دیئے جائیں گے ان شاء اللہ۔صدر مجلس شیخ انعام الحق مدنی ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار کی دعائیہ کلمات پر مجلس کا اختتام ہوا۔(ڈاکٹر رحمت اللہ محمد موسی السّلفی ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث کٹیہار، بہار)

☆☆